ماہنامہ
طلوعِ اسلام
قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر
لاہور

جولائی 2013ء

عظمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وحی میں انسانی فکر کا دخل نہیں ہوتا۔ وہ ایک خالصتاً خارج سے ملنے والا علم ہوتا ہے جو خدا کی طرف سے نبی کو الفاظ تک کی شکل میں دیا جاتا ہے۔ اس کا حضور ﷺ کی اپنی ذات کو کوئی کریڈٹ نہیں جاتا ماسوا اس کے کہ وہ امین ہیں' جو خدا کی طرف سے ملا' انہوں نے دوسروں تک بعینہٖ پہنچا دیا۔ اس کے بعد ان کی زبان سے خود خدا نے کہلوایا کہ: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (الکہف 110:18)۔ کہہ کہ میں صرف تمہاری طرح بشر ہوں (ماسوا اس کے کہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ اس انسانی مقام سے رسول ﷺ کی عظمت شروع ہوتی ہے کہ ایک انسان ہوتے ہوئے وحی خداوندی کی روشنی میں وہ اتنا عظیم انقلاب برپا کر جاتے ہیں کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی۔ وہ انسان کی حیثیت سے یہ کچھ کرتے ہیں اور اس لئے کہا کہ: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (33:21) اے انسانو! تمہارے لئے رسول ﷺ کی زندگی ایک بہترین نمونہ ہے۔ اگر یہ سب کچھ بھی رسول کا ایسا ہو کہ جو خدا کرائے وہ کرتا چلا جائے اور جو خدا کہلوائے' وہ کہتا چلا جائے تو اس میں رسول اللہ کی کوئی سیرت ہی نہیں آتی۔ نہ اپنا اختیار' ارادہ' بصیرت' فراست' تدبیر اور نہ کارنامہ۔

اس کے لئے مکتب ملا کی طرف سے عقیدہ وضع کیا گیا کہ وحی وہی نہیں جو اس قرآن کے اندر (وحی متلو) ہے بلکہ ہر وہ لفظ جسے آپ نطقِ نبوی کہیں گے بات تو حضور ﷺ نے کی نہیں۔ بات تو وہ خدا کر رہا ہے۔ اگر عقیدہ یہ ہوا تو پھر وہ ''قال الرسول'' رسول کا قول کیسے ہوا۔ اور پھر جتنا کچھ حضور ﷺ نے کر کے دکھایا اگر وہ بھی خدا کی طرف سے معجزات تھے تو معجزہ کا کریڈٹ بھی رسول کو نہیں پہنچتا۔ خدا نے حضور ﷺ سے یوں کہا کہ انگلی یوں کرو' آپ ﷺ نے کر دی' خدا نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے اور وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ دنیا میں' کائنات انسانیہ میں' عظیم ترین انسانی شخصیت حضور نبی اکرم ﷺ کی تھی جس کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ

بعد از خدا بزرگ توئی' قصہ مختصر

خدا کے معجزے سے تو انکار ہی نہیں ہو سکتا۔ اس کائنات کا عدم سے وجود میں آ جانا' اتنا بڑا معجزہ ہے کہ اس کے بعد تو اس

کے سامنے ہر معجزہ ہیچ ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ تو خدا کا کریڈٹ ہوگا' اس کی قدرت کا کرشمہ ہوگا۔ قرآن نے رسول اللہ کے متعلق کہا ہے: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (68:4)۔ تو' تو کریکٹر کی بلندیوں پر ہے۔ تو حضور ﷺ کا کریکٹر تو اس صورت میں بلندیوں پر ہوگا جب آپ ﷺ اپنے اختیار وارادے سے اپنے فیصلے کریں۔ مجبوری کی نہ نیکی' نیکی ہوتی ہے نہ مجبوری کی برائی' برائی ہوتی ہے۔

انسان صاحبِ اختیار ہے۔ جتنی چیزیں وہ اپنے اختیار وارادہ سے کرتا ہے وہ ان کا سبب ہوتا ہے اور اس سے جو اعمال سرزد ہوتے ہیں' وہ اس کے اثرات ہوتے ہیں۔ انسان کی عظمت کا راز اس میں ہے کہ وہ کسی چیز کا کتنا سبب بنتا ہے۔ خدا کی قدرت کاملہ یا خدا کا عظیم مقام یہ ہے کہ وہ خود کسی سبب کا نتیجہ نہیں۔ وہ تو ہر اثر (Effect) کا سبب (Cause) ہے۔ جو انسان جتنا زیادہ سبب بنتا چلا جائے گا' اتنا ہی خدا کی صفت اس کے اندر آتی چلی جائے گی۔ خدا کے رنگ میں رنگتا چلا جائے گا۔ یہ مقام تو مقام خداوندی ہوگا کہ وہ کسی سبب کا نتیجہ نہ ہو۔ اس لئے اس کے لئے ہمارے ہاں مُسبّبُ الاسباب ایک اصطلاح تھی' جس کا مطلب ہے کہ جتنے اسباب ہیں' ان تمام کا انتہائی سبب۔ اس کے برعکس جب Effect ہوتے چلے جائیں اتنا ہی وہ کائنات کی مجبور چیزوں میں داخل ہو جائیں گے۔ وہ Things بن جائیں گے' انسان نہیں رہیں گے۔

انسان کی عظمت بھی اس میں ہے کہ مرتے وقت بتا سکے کہ میں کتنے اچھے نتائج کا سبب رہا ہوں۔ نبی' وحی کے معاملہ کے اندر Effect ہوتا ہے' سبب خدا ہوتا ہے۔ وہ کلام اللہ ہوتا ہے جسے وہ دیتا ہے' وہ اس کا کلام نہیں ہوتا۔ اس لئے وحی کے معاملے میں نبی Effect ہوتا ہے اور اگر نبی کی ساری زندگی یہ مان لی جائے' جسے ہم اپنی عقیدت مندی سے کہتے ہیں کہ بڑا اونچا مقام ہے۔ ''ہر لفظ خدا کی طرف سے بولتے ہیں' ہر کام اس کی طرف سے ہوتا ہے'' یہ تو All effect ہو گیا۔ وہ کسی بھی عمل کا سبب نہ رہا اور اگر یہی چیز اسوہ حسنہ بنتی ہے تو ہمارے لئے تو اور دشواری ہو جائے گی کیونکہ عام انسانوں سے نہ خدا کہلواتا ہے' نہ کراتا ہے۔ وہ تو رسول اللہ ﷺ کی اس زندگی کے خلاف چلا جائے گا جس کا آپ کو تصور دیا گیا ہے۔ خدا آپ سے کچھ کراتا نہیں ہے تو پھر اس کے بعد کیا ہوا' بس یہ ہوا کہ ہم مسلمان ہو گئے۔ نہ ہم کچھ کرتے ہیں' نہ خدا ہم سے کچھ کراتا ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ یا محمد عربی ﷺ کی زندگی یہ تھی کہ ساری زندگی میں جہاں جہاں کسی امتحان کا مقام آیا ہے' وہاں اس بلندیٔ سیرت اور پاکیزگیٔ کردار کا ثبوت دیا ہے اور یہ سب وحیٔ خداوندی کی اطاعت میں تھا۔ یہی مطابقِ وحی زندگی گزارنا ہے جس کے متعلق ہمیں کہا کہ ''یہ تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔''

☆☆☆

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مجلّہ طلوعِ اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

بینک اکاؤنٹ نمبر 7-3082، نیشنل بینک آف پاکستان،
مین مارکیٹ گلبرگ برانچ کوڈ (0465) لاہور

جولائی 2013ء | جلد 66 | شمارہ نمبر 7

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر انعام الحق ڈاکٹر منظور الحق
خواجہ ازہر عباس محمد اکرم راٹھور

قانونی مشیر

ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

انتظامیہ

قائم مقام چیئرمین محمد اکرم راٹھور
ناشر عطاء الرحمٰن ارائیں

مدیر انتظامی

محمد سلیم اختر

قیمت فی پرچہ 30/- روپے
بدل اشتراک سالانہ 350/- روپے

بیرونِ ملک 2300 روپے
کینیڈا، امریکہ، آسٹریلیا 2500 روپے

25-B, Gulberg 2, Lahore-54660, Pakistan
Phone: 35714546 Fax: 35764484
Email: idara@toluislam.com
Web Site: http://www.toluislam.com/

ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف ہوتی ہے۔

پرنٹرز: اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز، 364۔ عمر پارک، لاہور

Naveed Graphic 5.5x8 1c

فہرست

لمعات: اِک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی	محمد اکرم راٹھور	3
عطاء الرحمٰن ارائیں صاحب کی یاد میں!!!	پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی (ایگزیکٹو ہیڈ طلوعِ اسلام ٹرسٹ)	4
جو بادہ کش تھے پرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں!	عبداللہ ثانی (پشاور)	6
تعزیتی ریفرنس	ادارہ	8
نظریۂ ارتقاء	راجہ عبدالعزیز (دھیرکوٹ آزاد کشمیر)	10
پرویز صاحب کا نظریۂ قرآن کریم	منظور حسین لیل۔ بھکر	22
مکتوبات	محمد سرور (لاہور)، جاوید اقبال	46

ENGLISH SECTION

Surah Al-Jinn – Durus-al-Qur'an **By G. A. Parwez**

Parah 29: Chapter 14 **(Translated by: Dr. Mansoor Alam)** **49**

طلوعِ اسلام کا لٹریچر یہاں سے دستیاب ہے

نیچے درج کئے گئے کتب خانوں سے طلوع اسلام ٹرسٹ کی تمام کتب، دروس القرآن کی تمام جلدیں، اسلامی کتابیں اور لائبریری کے لئے تمام موضوعات پر ہمہ قسم کتب رعایتی نرخوں پر خریدنے کے لئے تشریف لائیں۔

1- کلاسک بک سیلرز، 42، دی مال (ریگل چوک)، لاہور۔ فون: 042-37312977، موبائل: 0300-4442226	
2- البلال بک ڈپو، اردو بازار، کراچی۔ موبائل: 0344-2502141	3- شہباز بک ایجنسی، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32632664
4- مذہبی کتب خانہ، اردو بازار، کراچی۔ موبائل: 0331-2716587	5- شاہ زیب انٹر پرائزز، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32214259
6- علمی کتاب گھر، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32628939	7- مکتبہ دارالسلام، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32212269
8- مکتبۂ دارالقرآن، اردو بازار، کراچی۔	9- محمد علی، کارخانہ اسلامی کتب، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32631056
10- ایوانِ کتب، اردو بازار، لاہور، فون: 0321-8836932	

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لمعات

اِک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی

محترم عطاء الرحمٰن ارائیں صاحب کے انتقالِ پُر ملال کی خبر ایک صدمۂ جاں کاہ بن کر موصول ہوئی۔ ارائیں صاحب چند ماہ سے صاحب فراش تھے لیکن اس قدر جلد چلے جانے کی توقع نہیں تھی اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اس کے لئے ذہنی طور پر تیار تھا۔

عطاء الرحمٰن ارائیں صاحب کا طلوعِ اسلام سے تعارف اُن کے والد محترم کے توسط سے قیامِ پاکستان کے فوراً بعد ہی ہو گیا تھا۔ اُن کے والدِ محترم اپنے دور کے معروف بادیانت جج تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی میں پرویز صاحب نے درسِ قرآن کا آغاز کیا تو وہ بھی اس میں شریک ہونے لگے۔ انہوں نے اپنے تمام بچوں کی تعلیم و تربیت اعلیٰ انداز میں کی۔ یہی وجہ ہے کہ ارائیں صاحب کے تمام بہن بھائی نہ صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں بلکہ فکرِ قرآنی سے بھی شروع سے تا ایں دم منسلک و متمسک رہے ہیں۔ یہ سلسلہ یہیں نہیں تھما بلکہ پُشت در پُشت جاری و ساری ہے۔

محترم عطاء الرحمٰن ارائیں صاحب پیشہ کے لحاظ سے انجینئر تھے اور وہ اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے لاہور میں ایک فیکٹری کا قیام عمل میں لائے۔ شبانہ روز محنت سے اپنی مصنوعات کو ملک اور بیرونِ ملک متعارف کروایا۔ علاوہ ازیں اپنے تمام خاندان اور حلقۂ اعزہ و اقارب سے تعلق اور تعاون استوار رکھنے کی عظیم الشان خوبیاں اُن میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

ادارہ طلوع اسلام سے ان کا تعلق نصف صدی پر مشتمل ہے۔ پرویز صاحب کی وفات کے بعد طلوعِ اسلام ٹرسٹ وجود میں آیا تو اُس کے اوّلین ٹرسٹیز میں شامل تھے اور ادارہ طلوع اسلام کے آرگن ماہنامہ طلوع اسلام کے ناشر بنے تو اس ناطے ادارہ طلوع اسلام کی جنرل کونسل اور ایگزیکٹو کمیٹی کے رُکن تادمِ آخر رہے۔ اِس طویل عرصہ پر مشتمل رفاقت کے سفر میں جب جب تحریکی امور میں مشکل مقام آئے ہم نے ارائیں صاحب کو رہنمایانہ انداز میں ساتھ کھڑے پایا۔ اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود طلوع اسلام کے مختلف امور، سیمینارز، کنونشنز، میٹنگز کے لئے ہمہ وقت تیار اور مستعد رہتے۔ ایسی کثیر الجہات اور بااستقلال شخصیت کے تمام پہلوؤں کو احاطہ میں لانا ممکن نہیں اور اُن کے رُخصت ہونے سے جو خلا پیدا ہوا ہے اُس کو پُر کرنا مشکل ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اُن کو اپنے جوارِ رحمت میں مقام اعلیٰ پر فائز فرمائے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے۔ ادارہ اُن کے خاندان اور بالخصوص ان کی اہلیہ محترمہ اور ان کے بچوں کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

محمد اکرم راٹھور

(ایکٹنگ چیئرمین ادارہ طلوع اسلام)

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی
(ایگزیکٹو ہیڈ طلوعِ اسلام ٹرسٹ)

عطاء الرحمٰن ارائیں صاحب کی یاد میں!!!

طلوعِ اسلام ٹرسٹ کے لئے یہ سال پے در پے صدمات کا رہا۔ میاں اقبال سرور، قدیر احمد خان ایسے قدیمی رفقاء اور بانی اراکینِ ٹرسٹ کی وفات کچھ کم الم انگیز نہ تھی کہ محترم مقبول فرحت اور اب عطاء الرحمٰن ارائیں ایسی بے لوث شخصیت کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ ارائیں صاحب طلوعِ اسلام ٹرسٹ کے نہ صرف بانی رکن تھے بلکہ اُنہوں نے ٹرسٹ کے قیام میں حائل تمام مشکلات اور رکاوٹوں کو دور کرنے میں دامے، درمے اور سخنے تعاون کیا۔ مسائل اور معاملات کی پیچیدگیوں کو سمجھنے اور اُن کا حل تجویز کرنے کا جو ملکہ قدرت نے اُن کو عطا کیا تھا، اُسے وہ برموقع اور بھرپور استعمال کرتے تھے۔ ایک وسیع خاندانی نظام کے بزرگ اور کاروباری حوالہ سے اُن کی مصروفیات اگرچہ بے پناہ تھیں لیکن جب بھی ضرورت پڑی، طلوعِ اسلام تحریک کے امور کی سرانجام دہی اُن کی ترجیحِ اول رہی۔

طلوعِ اسلام ٹرسٹ کے اجلاس وہ اپنے گھر پر ہی منعقد کرواتے تاکہ اُنہیں رفقاءِ قرآنی کی خاطر مدارت کا موقع میسر آسکے۔ ایسے تمام مواقع پر وہ بھرپور اہتمام کرتے اور روایتی مہمان نوازی کے تقاضے اپنے مخصوص انداز سے پورے کرتے۔

علامہ پرویز کو ارائیں صاحب پر بھرپور اعتماد تھا۔ تمام اہم معاملات میں ارائیں صاحب کو شاملِ حال رکھتے۔ بالخصوص مالی معاملات اور انتظامات کے حوالہ سے بابا جی نے ہمیشہ ارائیں صاحب پر انحصار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی اور احباب سوسائٹی کے حسابات اور ریکارڈ کو ارائیں صاحب نے بڑی خوبی اور ذمہ داری سے محفوظ و منتقل کیا۔

اُس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا، کے مصداق اُن کو کئی ذمہ داریاں قبول کرنا پڑیں۔ طلوعِ اسلام ٹرسٹ کے وائس ایگزیکٹو ہیڈ ہونے کی وجہ سے وہ ہمیشہ میرے دست و بازو تو تھے ہی، اِس کے علاوہ ماہنامہ طلوعِ اسلام کے ناشر، ادارہ طلوعِ اسلام کی ایگزیکٹو کمیٹی کے مستقل رُکن، احباب سوسائٹی کے صدر، قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی کے نائب صدر بھی تھے۔ مختصر یہ کہ وہ تحریک طلوعِ اسلام کے تمام شعبہ جات اور تنظیمات کا مرکز و محور تھے۔ بالکل یہی پوزیشن دنیا بھر میں پھیلے اُن کے وسیع خاندان میں بھی تھی۔

ارائیں صاحب کا شمار اُن معدودے چند لوگوں میں ہوتا تھا کہ جن کا پرویز صاحب سے تعارف اور تعلق قیامِ پاکستان کے فوراً بعد ہی ہوگیا تھا۔ اُن کے والدِ محترم اپنے زمانے کے مشہور اور ایماندار جج تھے۔ اپنے بچوں کی تعلیم اور تربیت پر انہوں نے بھرپور توجہ دی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ پرویز کے دروس کا سلسلہ شروع ہوتے ہی اِس میں شامل ہوگئے۔ ارائیں صاحب بھی اُسی دور میں اپنے والدِ محترم کے

ساتھ شریک درس ہوئے۔ بعدازاں خاندان کے دیگر افراد بھی (جو ماشاء اللہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور اُن کی ملک وقوم کے لئے بے شمار خدمات ہیں) قرآنی فکر سے متمسک ومستفید ہوئے۔

ارائیں صاحب پیشے کے لحاظ سے انجینئر تھے تاہم انہوں نے صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی فیکٹری قائم کی۔ اس ضمن میں اُن کو اگرچہ بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن اُنہوں نے ہمت نہیں ہاری اور بالآخر ایک الگ اور منفرد شناخت بنا کر دنیا بھر میں اپنی مصنوعات متعارف کروائیں۔

آپ وفاداری بشرطِ اُستواری کی ایک عمدہ مثال تھے۔ جہاں تعلق قائم ہوا اُسے نبھانے اور مزید وسعت دینے میں کوشاں رہتے۔ انتھک محنت اور کوششِ پیہم زندگی بھر اُن کا شعار رہا۔ سادگی اور وقار اُن کی شخصیت کا اہم پہلو تھا۔ بڑے بڑے مسائل اور پریشان کن معاملات کا وہ ہنستے مسکراتے حل نکال دیتے۔ ایسی عمدہ خوبیوں کی حامل شخصیت کے رخصت ہونے سے جو خلا پیدا ہوا ہے' اُسے کیسے پُر کیا جاسکتا ہے۔ ارائیں صاحب کی وفات سے تحریک طلوعِ اسلام اور اُن کے خاندان کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ میرا ارائیں صاحب اور اُن کے خاندان سے تعلق تقریباً نصف صدی پر محیط ہے اور اِس حوالہ سے بے شمار خوشگوار یادیں ہیں جو ہمیشہ اُن کی یاد دلاتی رہیں گی اور راہنمائی کا باعث رہیں گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اُنہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور اُن کے خاندان کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعزیت

محترم عطاء الرحمٰن ارائیں صاحب کی وفات کی خبر سن کر یقین نہیں آیا۔ ایسی زندہ دِل اور زندگی سے بھرپور شخصیت اس طرح ہمیں چھوڑ کر رُخصت ہو جائے گی اس کا تصور تک کرنا محال ہے۔ موصوف ادارہ طلوع اسلام کی جنرل کونسل اور مجلس عاملہ کے فعال رُکن' مجلّہ طلوع اسلام کے ناشر ہونے کے ساتھ ساتھ بزم طلوع اسلام لاہور کے بھی اہم رُکن تھے۔ بزم کو جب بھی کوئی مسئلہ درپیش آتا تو اس سلسلہ میں اُن سے رُجوع کیا جاتا۔ وہ ہمیشہ خوش دِلی سے اپنا قیمتی وقت ارزانی کرتے اور اپنی رہنمائی اور تعاون کا ہاتھ آگے بڑھا دیتے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور اُن کے اعزہ واقربا کو صبرِ جمیل سے نوازے۔ بزم طلوع اسلام لاہور کے تمام اراکین اُن کے خاندان اور بچوں کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

محمد عمر

انچارج بزمِ طلوع اسلام لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عبداللہ ثانی (پشاور)

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں!

کتنے خوش نصیب تھے جوانی کے وہ ایام جب دو نوجوان بھائی حلقہ بگوش قرآن ہوئے۔ اور مفکر قرآن نے اُن کے بارے میں فرمایا ''آپ دونوں بڑے خوش نصیب ہیں ورنہ جوانی اور قرآنی فکر''۔ وہ یہ تو کہہ گئے لیکن اس کا پس منظر بڑا ہی معنی خیز تھا۔ پس منظر تو کیا دراصل پیش منظر بھی تھا۔ وہ کچھ یوں کہ عام طور پر بڑھاپے میں لوگ یہ کہہ کر قرآن کریم کی طرف آتے ہیں کہ ''نہ جانے کب بلاوا آجائے؟ تو سوچا اپنی زندگی کے آخری ایام اللہ کی کتاب کو دے دوں۔ اب اللہ نے بڑا فضل کیا ہے''۔

یہ 5 جون رات ساڑھے آٹھ بجے کا وقت تھا۔ پسینے میں شرابور ٹیلی ویژن پر خبریں دیکھ رہا تھا۔ سینے پر پڑا موبائل حرکت میں آیا..... اُٹھایا..... کھولا..... جی کون! میں سوات سے اقبال ادریس بول رہا ہوں۔ جی فرمائیے۔ پہلا سوال میری طرف سے موسم کا تھا۔ جواب ملا۔ موسم تو دیکھیں گے۔ آپ کو کچھ پتہ ہے۔ خیر ہو۔ بولے۔ عطاالرحمٰن ارائیں صاحب مرحوم ہوگئے۔ لیٹا تھا اور اچانک بیٹھ گیا۔ پھر فرمائیے عطاء الرحمٰن ارائیں صاحب فوت ہوگئے۔ بے ساختہ ہم دونوں نے روایات کو برقرار رکھتے ہوئے کہا!

''انا للّٰہ و انا الیہ راجعون''

آپ کو کس نے بتایا ہے مجھے فیس بک سے معلوم ہوا۔ کیا آپ نے کنفرم کیا ہے! کہنے لگے۔ اتنی بڑی خبر غلط نہیں ہوسکتی۔ اور اس طرح ہم دونوں نے اُن کے متعلق ماضی کی چند یادگاروں کو دہراتے ہوئے دل کو تسلی دینا چاہی!

اگرچہ اُن کے نام کے ساتھ مرحوم کا لاحقہ عجیب اور ناقابل یقین لگتا ہے۔ لیکن موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے آج تک کوئی انکار نہ کرسکا۔ احباب قرآنی کے لئے یہ ناقابل برداشت صدمہ ہے لیکن دوسری طرف اُن کے چھوٹے بھائی کا بھی دل دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ دونوں بھائی فکر قرآنی کو عام کرنے کے لئے دو مضبوط ہاتھوں کا کردار ادا کرتے تھے اور کرتے رہے ہیں۔ ہم تو بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ان کے بھائیوں کو اللہ تعالیٰ اتنی ہمت دے کہ وہ اپنے بڑے بھائی عطاء الرحمٰن ارائیں مرحوم کے جاری مشن کو مزید تقویت بخشیں۔

عزیزم اقبال ادریس صاحب نے فون پر اُن دنوں کی یادیں بھرائی آواز میں دہرائیں۔ جن دنوں میں موصوف ناظم ادارہ طلوع اسلام تھے۔ کہنے لگے۔ مرحوم انتہائی شستہ مزاج، حلیم طبع، فوراً بات کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے۔ خوش لباس، کم گو اور ہمیشہ رہنمائی کرنے والے شخص تھے۔ کہنے لگے۔ انسان زندہ ہو تو خوبیاں نظر نہیں آتیں۔ جونہی موت واقع ہوتی ہے۔ ایک لمحہ کے لئے ماضی ذہن کے پردہ پر جھلک بن کر گزر جاتا ہے۔ اور انسان کی تمام خوبیاں نکھر کر سامنے آجاتی ہیں۔ کافی دیر تک اس موضوع پر بات ہوتی رہی۔

عطاء الرحمٰن ارائیں مرحوم فکر قرآنی کو عام کرنے کے لئے بڑی خاموشی اور پراثر انداز سے کام کرتے رہے۔ غیر ضروری بحثوں

میں الجھنا اُن کے مزاج کے خلاف تھا۔ مفکرِ قرآن کی رحلت کے بعد ان بھائیوں نے فکرِ قرآنی اور کاوش پرویزؒ کو جاری رکھنے کے لئے تحریک طلوع اسلام کے روح ورواں بنے رہے۔ اگرچہ احباب سوسائٹی کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ کئی کنونشن منعقد ہوئے لیکن زمانے کی بے راہ روی اور قرآن کریم کی مخالفت مختلف ذرائع کی وجہ سے بعض مقامات پر ناکامی نظر آنے لگی۔ تاہم زندگی کے آخری ایام تک مرحوم کے غیر متزلزل ارادوں میں کسی قسم کی شکن نظر نہ آئی۔

اب صرف اور صرف ایک ہی سہارا رہ جاتا ہے۔ وہ ہے دل کی گہرائیوں سے یہ دعا کہ ''اے باری تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں عالی مقام عطا فرما۔ لواحقین اور تمام برادران واہل خانہ کو صبر جمیل'' احباب قرآنی اس غم میں برابر کے شریک ہیں۔

عبداللہ ثانی (پشاور) ؛ اقبال ادریس (سوات)

☆.....☆.....☆

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-	سورہ یٰس	(36)	164	150/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	350/-	سورہ الصفٰت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورۃ الکہف وسورہ مریم	(18-19)	532	400/-	سورۃ مومن، حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ الحج	(22)	380	350/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-	شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-
سورۃ النور	(24)	264	350/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25/B، گلبرگ 2، لاہور، فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعزیتی ریفرنس

9 جون 2013ء بروز اتوار بمقام 25 بی، گلبرگ 2، لاہور میں معمول کے درسِ قرآن کے بعد ادارہ طلوع اسلام، طلوع اسلام ٹرسٹ، بزمِ طلوع اسلام لاہور اور بزمِ خواتین لاہور کے زیر اہتمام ایک تعزیتی ریفرنس منعقد ہوا جس میں ماہنامہ طلوع اسلام کے ناشر اور طلوع اسلام ٹرسٹ کے وائس ایگزیکٹو ہیڈ عطاء الرحمٰن ارائیں صاحب کی وفات پر اُن کی خدمات جلیلہ کا ذکر کرتے ہوئے بھرپور خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔

نظامت کے فرائض ادا کرتے ہوئے بزم طلوع اسلام لاہور کے انچارج محترم محمد عمر صاحب نے محترم عطاء الرحمٰن ارائیں صاحب کی وفات پر گہرے دُکھ کا اظہار کیا۔ بعدازاں انہوں نے حسین قیصرانی صاحب کو دعوت اظہار دی۔ انہوں نے طلوع اسلام ٹرسٹ کی طرف سے عطاء الرحمٰن ارائیں صاحب کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں خراجِ تحسین پیش کیا۔ ان کے بعد محترم اکرم راٹھور صاحب ایکٹنگ چیئرمین ادارہ طلوع اسلام کو دعوتِ کلام دی گئی تو انہوں نے بھی مرحوم کو زبردست خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ان کی خدمات کا بھرپور تذکرہ کیا۔ ان کے بعد محترمہ صالحہ نغمی صاحبہ نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے ان کی سیرت وشخصیت کے شاندار پہلوؤں کو اُجاگر کیا۔ محترمہ صالحہ نغمی صاحبہ کے بعد آخر میں محترم شیخ اللہ دتہ صاحب کو دعوتِ اظہار دی گئی جو کہ عطاء الرحمٰن ارائیں صاحب مغفور کے دیرینہ ساتھیوں میں سے ایک ہیں۔ شیخ اللہ دتہ صاحب نے عطا صاحب کی خوبیوں کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور انہوں نے مرحوم سے متعلق بہت سے واقعات حاضرین کو سناتے ہوئے انہیں زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔

اس طرح یہ تقریب سوگوار دِل اور نم آنکھوں کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔ آخر میں تمام حاضرین محفل نے ارائیں صاحب کی بلندی درجات کے لئے دُعا کی اور ارائیں صاحب کے اہل خانہ اور ان کے تمام برادران کے ساتھ ہم دردی کا اظہار کیا۔

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شرحِ جاوید نامہ شائع ہوگئی!

مفکرِ قرآن غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ کے لیکچرز کی تسوید پر مشتمل اپنے انداز کی منفرد شرح جاوید نامہ شائع ہوگئی ہے۔ بڑے سائز کے 800 صفحات پر مشتمل اِس یکتائے روزگار شرح کی قیمت صرف ایک ہزار روپے ہے۔ ''جاوید نامہ'' کیا ہے اس کے متعلق پرویز علیہ الرحمتہ کی زبانی خود ملاحظہ فرمایئے:۔

''علامہ اقبالؒ کی فارسی کی کتاب ہے ''جاوید نامہ''۔ اگر آپ نوجوانوں کو اسلام کی تعلیم دینا چاہتے ہیں تو میں یہ عرض کروں گا' مبالغے کی بات نہیں ہے' یہ ایک کتاب ''جاوید نامہ'' پڑھا دیجئے لیکن اس کے پڑھانے کے لیے ایسے لوگوں کی یا ایسے شخص کی ضرورت ہوگی جو علومِ حاضرہ کے اوپر پوری دسترس رکھتا ہو۔ یہ بڑی جامع کتاب ہے اور میں سمجھتا ہوں یہ اقبالؒ کی فکر کا شاہکار ہے۔ تاریخ عالم پہ نگاہ' مذاہبِ عالم پہ نگاہ' سارے فلسفے کے اوپر نگاہ' الٰہیات کے اوپر نگاہ' سوشیالوجی کے اوپر نگاہ' تمدن کے اوپر نگاہ' نظام کے اوپر نگاہ' سب سے بڑی یہ چیز کہ قرآن کی گہرائیوں کے اوپر بڑی نگاہ۔ اگر کہیں یہ چیز نصاب کی اس انداز سے سامنے آئے پھر آپ دیکھئے گا کہ انہی نوجوانوں کی ذہنیت کیسے بنتی ہے اور کیا بنتی ہے۔ یہ جو چیز ہے کہ کوئی دوسری قوم آئے گی۔ بڑا حسین انداز ہے۔ اقبال کے الفاظ ہیں وہ اس انداز سے بات شروع کرتا ہے کہ یہ نظام آیا تو ملوکیت بھی گئی اور یہ پاپائیت بھی گئی اور سرمایہ داری بھی گئی یہ سب چیزیں انہوں نے اُڑا دیں۔ میرے دل کے اندر جو بات چھپی ہوئی ہے آج میں اسے بے نقاب کہہ دینا چاہتا ہوں۔ الفاظ نہیں مل رہے یہ کہنے کے لیے کہ میں کیا کہوں کہ یہ قرآن ہے کیا' یہ کتاب تو نہیں کچھ اور ہی ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب جان کے اندر کسی کے یہ اتر جاتی ہے تو جان بدل جاتی ہے اور جب جان بدل جاتی ہے تو دنیا بدل جاتی ہے''۔

(بحوالہ دروس القرآن سورۃ المائدہ آیات 51 تا 56)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

راجہ عبدالعزیز (دھیرکوٹ آزاد کشمیر)

نظریۂ اِرتقاء

Special Creation v/s Evolution

خارجی کائنات کا یہ عظیم القدر اور محیر العقول سلسلہ جس حسن وخوبی سے چل رہا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کے مرتب کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے مسلسل اور پوری شدت سے سرگرم عمل ہے۔ 13:15‘ 57:1‘ 59:1‘ 61:1‘ 62:1‘ 64:1۔ اشیائے کائنات کو اللہ کی طرف سے یہ ہدایات انفرادی طور پر ملتی ہیں اور وہ ازخود جبلی طور پر اپنے فرائض ادا کر رہی ہیں‘ کیونکہ انہیں قانونِ قدرت کی خلاف ورزی کرنے کا اختیار نہیں۔ ان کے برعکس انسان کو چونکہ اختیار وارادے کے ساتھ قوانین الوہیہ کی خلاف ورزی کا اختیار بھی دیا گیا ہے‘ اس لئے اسے زندگی بسر کرنے کے لئے اللہ کی طرف سے ہدایت انفرادی طور پر نہیں بلکہ اجتماعی طور پر انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے بذریعہ وحی بالواسطہ ملتی ہے۔ اور اس ہدایت پر عمل کرنا یا نہ کرنا اس کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ 73:19‘ 76:3‘ 90:10۔ انسان اگرچہ طبیعی دنیا میں اپنے اس اختیار وارادے کو منفی طور پر زیادہ استعمال نہیں کرتا کیونکہ طبیعی قوانین کی خلاف ورزی کی سزا اکثر اوقات فوری مل جاتی ہے‘ مگر اخلاقی اقدار کی خلاف ورزی کے نتائج فوری طور پر سامنے نہیں آتے بلکہ اس میں عمل اور ظہور نتائج کے درمیان ایک وقفہ ہوتا ہے اس لئے انسان نڈر ہو کر اخلاقی قوانین کی خلاف ورزی کرتا رہتا ہے۔ لیکن ایک دن اسے بہرحال ان خلاف ورزیوں کے ضرر رساں نتائج کا سامنا ضرور کرنا پڑتا ہے۔

وحی کے نظام کی ابتداء ایمان سے ہوتی ہے۔ یعنی اس حقیقت کا اعتراف کہ انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی الجھے ہوئے مسائل کو تنہا عقل انسانی سے سلجھایا نہیں جا سکتا اس لئے عقل انسانی کی راہنمائی کے لئے وحی کی روشنی کی اشد ضرورت ہے۔ اس نظام کا اصل الاصول یہ ہے کہ تمام انسانوں کی جملہ صلاحیتوں (بشمول ذات) کی پورے طور پر نشوونما ہوتی جائے تاکہ انسانیت من حیث الکل اپنی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے آگے بڑھتی اور بلند ہوتی جائے۔ نبی اکرم ﷺ پر چونکہ نبوت کے ادارے کا خاتمہ ہو چکا ہے اس لئے آخری نبی ﷺ کی وساطت سے دی گئی عظیم کتاب قرآن مجید‘ پوری نوعِ انسانی کے لئے قیامت تک ہدایت وراہنمائی کا سرچشمہ رہے گی۔ قرآن پاک میں انسان کی راہنمائی کے لئے طبعیات‘ فلکیات‘ کیمیا‘ سیاسیات‘ معاشیات‘ اخلاقیات‘ معاشرتی اور غرض یہ کہ تمام انسانی معاملات سے متعلق تمام اصولی ہدایات موجود ہیں۔ اس لئے ان قرآنی ہدایات کے ادراک کے لئے کسی ایک علم کی نہیں

بلکہ بہت سے تحقیقی علوم میں اختصاص (Specialisation) کی ضرورت ہے۔ تخلیق و ہدایت دونوں اللہ کی طرف سے ہیں 20:50۔ قرآن مجید نے اپنے حقائق کی تفہیم کے لئے بھی متعدد طریقے بتائے ہیں مثلاً قرآن مجید پر غور و تدبر کرنا۔ اس کی بیان کردہ کسی شے یا تصور یا واقعہ کی پوری پوری حقیقت سمجھنے کے لئے تصریف آیات سے مدد لینا۔ اس کے بیان کردہ مترادف الفاظ کی باریکیوں کو سمجھنا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں قرآن پاک کے بیان کردہ مجرد حقائق کی تفہیم کے لئے عربی زبان کے مثلاً تشبیہات، تمثیلات، مجازات، استعارات اور کنایات وغیرہ بھی استعمال ہوئے ہیں انہیں بھی سمجھنا لازم ہے۔

قرآنِ کریم کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ جس مقام پر جو لفظ یا اصطلاح استعمال ہوئی ہے وہ وہاں ٹھیک منطبق ہوئی ہے اور متعلقہ آیات کے مفہوم کی بڑے دلنشین انداز سے وضاحت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں موجود حقائق اور معارف کی وضاحت کے لئے حروف اضداد بھی استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً ظلمات و نور، اعمیٰ و بصیر، طیب و خبیث جیسے باہمی متضاد الفاظ۔ انہی متضاد الفاظ میں 'الحق اور الباطل' کے الفاظ بھی شامل ہیں۔ جو قرآن پاک میں بڑی کثرت و تکرار سے بیان کئے گئے ہیں۔ صاحب تاج العروس کے مطابق جب کسی چیز کو کسوٹی پر پرکھا جائے اور وہ اس پر پوری نہ اترے یا کوئی چیز یونہی ضائع ہو جائے یا ایسی کوشش جس کا کوئی نتیجہ نہ نکلے وہ باطل ہے۔ اس کے برعکس جو چیز پرکھنے پر پوری اترے وہ حق ہے۔ حق کے معنی کسی چیز کا ٹھوس یا حقیقت بن کر سامنے آ جانا ہے "Al-Haqque means truth that comes in concrete form" مثلاً قیامت کے بارے میں ہے کہ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ 78:39۔ اسی طرح قیامت کے دن کے بارے میں ہے کہ اس وقت بڑے بڑے مجرموں کو عذاب کے سامنے کھڑا کر کے پوچھا جائے گا اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ 46:34۔ ایک جگہ حق و باطل کو خلط ملط کرنے سے منع کیا گیا ہے 2:42 اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام یا قرآن کو بھی الحق کہا ہے۔ ''تم اعلان کر دو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق آ گیا ہے.....18:29۔'' حق کے مقابلے میں ظن کی کوئی حیثیت نہیں'' 53:28۔'' خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ضابطۂ ہدایت دے کر بھیجا ہے یعنی اس نظام زندگی کو دے کر جو یکسر حقیقت (الحق) پر مبنی ہے تاکہ یہ نظام دنیا کے تمام باطل نظاموں پر غالب آ جائے.....9:33، 61:9۔ ہم نے تجھے اے نبیؐ حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا 35:24۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا جب تمہارے پاس حق آ گیا ہے تو تم کہتے ہو هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ 10:77۔ خدا خود حق ہے۔ اللہ کا رسولؐ حق ہے 3:85۔ اللہ کا وعدہ حق ہے 10:35۔ قرآن مجید حق ہے 34:6۔ ہم نے تم پر حق کے ساتھ کتاب اتاری 39:1، 57:16۔ تمہاری طرف اللہ کی طرف سے حق آ گیا ہے 10:108۔ وحی حق ہے 2:91۔ حق کی طرف صرف اللہ راہنمائی کرتا ہے 10:35۔ اپنے کلام (قرآن مجید) کی طرح اللہ پاک نے اپنے فعل (کائنات) کو بھی الحق کہا ہے 10:5۔ کائنات کو باطل سمجھنے والے کافر ہیں 38:27۔ کائنات کو بالحق تخلیق کیا گیا ہے 64:2۔ کائنات کو بالحق پیدا کیا گیا ہے تاکہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک بدلہ مل جائے اور کسی پر ظلم و زیادتی نہ ہو اسے یونہی بیکار اور تخریبی نتائج مرتب کرنے کے لئے

نہیں پیدا کیا گیا 45:22‘ 53:31۔ کائنات کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے 44:39‘ 46:1 کائنات یونہی کھیل تماشا نہیں 44:38۔ وحی کی طرح کائنات کو حق اس لئے کہا گیا ہے تاکہ اس کی حقانیت میں کوئی شک وشبہ نہ رہے۔ اگر انسان چاہتا ہے کہ اس دنیا کی خوشگواریاں اور آخرت کی مسرتیں حاصل کرے تو اس کے لئے قرآن کریم میں درج احکامات خداوندی کے مطابق عمل کرنے کے ساتھ ساتھ کائنات میں جاری وساری قوانین قدرت کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے تاکہ تسخیر کائنات ممکن ہوسکے۔

اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تحت کائنات کی تسخیر کے لئے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ صرف موضوعیت کا نتیجہ ہمیشہ شک کی صورت میں نکلتا ہے۔ کیونکہ علم‘ معروض اور موضوع کے باہمی ربط وتعلق سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ قرآن پاک نے کائنات کو الحق قرار دے کر صدیوں پرانے اس تصور کو مسترد کر دیا تھا جس کی بنیاد صرف موضوعیت پر ہے۔ اس تصور کے تحت اس کائنات کی کوئی ٹھوس حقیقت ہے ہی نہیں۔ یہ محض واہمہ اور خواب وخیال ہے۔ پراکرتی (مادی دنیا) محض مایا (فریب) ہے۔ یونان میں الیاطی فلسفے کا بانی زینوفینس خدا اور عالم کو ایک ہی سمجھتا تھا۔ وحدتِ وجود کا ایک اہم مبلغ سپینوزہ 1636 میں پیدا ہوا۔ اس کے خیال میں حقیقت صرف خدا کی ہے۔ پھیلاؤ اور فکر اس کی صفات ہیں۔ خدا خود ہی ہر شے ہے اس سے علیحدہ کسی شے کا وجود نہیں ہے۔ اور افلاطون نے عالم امثال کی دنیا بسا کر اس محسوس کائنات کے حقیقی وجود کی نفی کر کے اسے عالم امثال کا سایہ قرار دے دیا۔ افلاطون کے اسی نظریے کو بعد میں اشراقیت کے بانی فلاطینوس نے مذہبی رنگ دیا اور اسی مذہبی پہلو پر مشرقی تصوف یا نوافلاطونیت کی بنیاد رکھی۔ قبل ازیں قدیم ہندوستان میں اُپنشدوں کی تعلیمات اور شری شنکراچاریہ کے اقوال کے تحت وحدت وجود کے نظریہ کی بنیاد پڑ چکی تھی۔

وجودی تصوف پر پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اپنی مشہور تصنیف‘ تاریخ تصوف‘ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ پروفیسر صاحب خود بھی صرف عام تصوف کے نہیں بلکہ وجودی تصوف کے سختی سے قائل ہیں اس لئے اس معاملے میں ان کی آرا کو کسی مخالف کا محض پراپیگنڈا نہیں کہا جاسکا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ’’اس بات پر پوری دنیا کے محققین متفق ہیں کہ اپ نشد تصوف پر قدیم ترین تصانیف ہیں جن میں تصوف کے تمام بنیادی اصول بیان کر دیئے گئے ہیں۔ تصوف کی بنیاد مذہب پر ہے بلکہ تصوف مذہب کی روح ہے‘‘ صفحہ 17۔

وحدت وجود یا ہمہ اوست کا نظریہ خالصتاً آریائی نظریہ ہے اور کسی نہ کسی صورت میں تمام آریائی اقوام میں مروج ومقبول رہا ہے چنانچہ نوافلاطونیت کا بانی فلاطینوس‘ ہندوستان کے عظیم صوفی (رشی) دانشور شری شنکراچاریہ اور ہسپانیہ کے مشہور مسلمان صوفی ابن عربی اس نظریے کے ممتاز شارحین ہیں۔ ویدانت‘ اشراقیت اور وحدت وجود میں بنیادی اصول ایک ہی ہیں تینوں نظریے احدیت کے ترجمان ہیں یعنی وہ کائنات میں ایک ہی اصل الاصول کے قائل ہیں۔ یہاں وحدیت کو واحدانیت سے مخلوط نہ سمجھا جائے۔ واحدانیت میں اللہ کو مختارِ کل اور فاعل باختیار سمجھا جاتا ہے جو اشیاء کو وجود میں لاتا ہے۔ اس میں دوئی کا تصور لازماً پایا جاتا ہے‘ خالق ومخلوق کی دوئی۔ مگر ویدانت‘ اشراقیت اور وحدت وجود میں اس دوئی کو تسلیم نہیں کیا جاتا ہے بلکہ خالق ومخلوق اور ذات مطلق اور کائنات کو ایک

دوسرے کا عین سمجھا جاتا ہے ان میں جدائی ناممکن ہے۔ وجود کی وحدت حقیقی ہے اور کثرت یا تعداد اعتباری ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے ان شارحین کے کچھ اقوال بھی بیان کئے ہیں۔ مثلاً یادرکھو خدا کے سوا حقیقی معنی میں کوئی ہستی موجود نہیں۔ خدا حق ہے اور یہ کائنات ایک نمود بے نمود۔ اپنشدوں کی تعلیم صفحہ 22۔ برہما اگرچہ واحد ہے لیکن اس نے اپنی مرضی سے اپنے آپ کو کائنات کی کثرت میں ظاہر کیا ہے۔ (شنکر اچاریہ صفحہ 33) کائنات موہوم ہے اور برہما موجود ''ایضاً صفحہ 36''۔ ودّیا یعنی حقیقی علم مراقبے سے حاصل ہوتا ہے ''شنکر اچاریہ صفحہ 38'' اس قول کی وضاحت چشتی صاحب نے فٹ نوٹ پر یوں کی ہے ''گویا حقیقی علم کی تعریف میں فلاطینوس' شری شنکر اچاریہ' شیخ اکبرؒ، سعدیؒ، رومیؒ، جامیؒ، بیدلؒ اور اقبالؒ سب ہمنوا ہیں''۔ چشتی صاحب۔ علامہ اقبالؒ کو بھی وجودی سمجھتے ہیں۔ فلاطینوس کے بارے میں بڑے ادب اور عقیدت مندی سے کہتے ہیں کہ ''ان کی شخصیت اس روحانی قافلے میں ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے جس میں سقراط' افلاطون' ارسطو' آگسٹس' ایکوئناس برونو (م 1600ء شہید علم وصداقت) ہیکل اور سپینوزہ شامل ہیں صفحہ 73۔ ''انہوں نے بھی عالم محسوسات کو آفتاب حقیقی کا پرتو یا ظل قرار دیا ہے صفحہ 83۔ باقی صوفیا کی طرح انہوں نے بھی مقامات سیر وسلوک کے تین درجے ظاہر کئے ہیں صفحہ 84۔ ابن عربی نے بھی لکھا ہے۔ ''بذات خود عالم کوئی وجود نہیں یعنی اعیان ثابتہ نے وجود خارجی کی بوتک نہیں سونگھی۔ اور اٹھارویں صدی کے مشہور وجودی فلسفی بشپ جارج ہرکلے نے مذہب کے مقام کو بحال کرنے کی کوشش کی اور مادہ پرستوں کے خلاف آواز اٹھائی۔ انہوں نے یہ دعویٰ کر کے علمی دنیا کو چونکا دیا کہ مادے کا کوئی حقیقی وجود ہے ہی نہیں یہ سب کچھ جو ہم دیکھتے ہیں ہمارے ذہن کی پیداوار ہے۔ غالب کے الفاظ میں مختصر یہ کہ ؎

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

اوپر جن صوفیاء کا ذکر ہوا ہے ان کے اقوال میں خدا کے تصور کا دین کے شخصی اور اخلاقی خدا سے دور کا تعلق بھی نہیں۔

یہ احوال تھا مثالیت پسندوں کا جو کائنات کے حوالے سے تفریط کا شکار ہیں۔ ان کے بالکل الٹ دوسری طرف مادہ پرست ہیں جن کا کہنا ہے کہ اس مادی کائنات میں مادہ کے سوا کسی چیز کا وجود ہی نہیں۔ یہ کائنات کسی نہ کسی طرح محض ہنگامی طور پر وجود میں آ گئی ہے۔ کچھ قوانین ہیں جن کے تحت یہ ایک بے روح مشینری کی طرح مصروف حرکت ہے اس کی نہ کوئی غرض وغایت ہے نہ منزل مقصود نہ اس کے پیچھے کوئی بصیر وخبیر قوت ہے نہ اس کا کوئی خالق۔ انسان کے بارے میں ان کے یہی نظریات ہیں جو زمانہ قدیم سے چلے آ رہے ہیں۔ فیثا غورث کا ارواحِ تناسخ پر پختہ یقین تھا۔ رواقیت کے بانی زینو قبرصی نے کہا کہ کائنات میں کوئی غیر مادی شے موجود ہی نہیں۔ خدا اور روح بھی مادی ہیں۔ اسی مادیت پر رواقیین نے وحدت وجود کا پیوند لگا کر کہا کہ خدا روح عالم ہے اور مادی عالم اس کا جسم۔ ان کی مادیت پسندی ان کی طبعیات کا حاصل تھی۔ اسی طرح دیما کریطس نے بھی کائنات کو سراسر مادی قرار دیا تھا۔ برگسان

کے نزدیک دنیا ٹھوس اور مادی ہے لیکن محض فریب نظر ہے وہ مرورِ محض (Duration) کو حقیقی سمجھتا ہے۔ مادیت پسند عقلی عمل نیز غور وفکر یا غور وتدبر کو بے سود' جامد' افلاطونی' ریاضیاتی' میکانکی' منطقی اور عقلی کہہ کر اس کی تضحیک کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک موجود فی الخارج ہی حقیقی ہے اور ذہنی غیر حقیقی۔ قرآن پاک نے کائنات کو حق کہہ کر انسانی ذہن کے تراشیدہ ان باطل نظریات کی تردید کر دی ہے۔ اور علم کے حصول کے لئے حواس (Perceptions) اور تعقل (Conceptions) دونوں کا استعمال ضروری قرار دیا ہے 76:23 نیز انسان کی راہنمائی کے لئے یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ انسان اور کائنات کا ایک خالق بھی ہے اور ان کا مقصد اور منزل بھی ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات (عالم خلق) کی جملہ موجودات کی کیفیات' ماہیت اور ان کے خواص وجوہر کا علم حاصل کرنے کی صلاحیت انسان کو عطا کی ہے' اس لئے اس کے ذہن میں کائنات اور خود انسان کے بارے میں کئی سوالات ابھرتے آئے ہیں۔ اور وہ ان سوالات پر غور وفکر بھی کرتا رہا ہے۔ کہ عالم محسوس اور خود انسان کی حقیقت کیا ہے؟ چیزیں ہمیشہ اپنا وجود برقرار کیوں نہیں رکھ سکتیں؟ نئی نئی اشیاء کہاں سے اور کس طرح وجود میں آتی ہیں؟ انسان کا کائنات میں کیا مقام ہے؟ کیا کائنات بامعنی یا بامقصد ہے یا اس کا کوئی مقصد یا منزل نہیں؟ کیا کائنات ازل سے موجود ہے اور ابد تک موجود رہے گی یا اسے کسی وقت تخلیق کیا گیا ہے؟ ذہن اور مادے کا باہمی تعلق کیا ہے؟ انسانی اعمال کا محرک لذات یا خواہشات کی تکمیل یا اصول ونصب العین ہیں؟ انسان اپنے اخلاقی اعمال کے معاملے میں خود مختار ہے یا مجبور؟ حسن معروض میں ہے یا موضوع میں؟ مسرت' غم' صداقت' کذب' جبر وقدر' خیر وشر' روح اور ضمیر کیا ہیں۔ کیا انسان اور کائنات کی تخلیق فوری طور پر ہوئی ہے یا یہ بتدریج' مرحلہ وار اپنی موجود حالت تک پہنچے ہیں؟ یہ اور اس قسم کے کئی دیگر سوالات ایسے ہیں جن کے تجزیے اور تحلیل میں بعض بہترین دماغوں کا وقت اور توانائی صرف ہوئی ہے۔ ہماری فلسفیانہ تاریخ کا بڑا حصہ انہی سوالات کے جوابات کے اردگرد گھومتا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن پاک نے بھی ایسے تمام مسائل کو حل کرنے کے لئے انسان کی راہنمائی فرمائی ہے لیکن قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ 67:22۔ خطبات کے مترجم سیّد نذیر نیازیؒ نے اپنے مقدمے میں فرمایا ہے کہ ''حقیقت کی ترجمانی میں ہم اپنے اجتہادات اور سعی وکاوش کا سلسلہ برابر جاری رکھیں۔ دراصل اس فکر کا حقیقی سرچشمہ جیسا کہ اس سے پہلے بھی عرض کر دیا گیا تھا قرآن مجید ہے' اور قرآن مجید ہی سے ہمیں ان سب مسائل یا مشکلات میں جو اس کی تشریح وتوضیح میں پیدا ہوں رجوع کرنا پڑے گا''۔

شعورِ انسانی اپنے عہد طفولیت میں نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ کائنات کس طرح وجود میں آ گئی؟ اس لئے کائناتی حقائق پر صدیوں تک سحر وطلسم' توہم پرستی' جادو ٹونہ اور جہالت کے دبیز پردے پڑے رہے۔ چھٹی صدی ق م میں آئونیا (IONIA) شہر کے ایک سائنسدان طالیس نے اوہام اور خرافات کے پردوں کو چاک کر کے پہلی بار کائنات کی سائنسی تشریح کی۔ اسٹیفن کے مطابق:۔

"Scholars in ancient Ionia were among the first to explain natural phenomena

through laws of nature than myth or theology."

اس کے بعد یونانی فلسفے میں ایک جامد اور ساکن کائنات (Static Universe) کا تصور صدیوں تک رہا۔ یہاں تک کہ سولہویں صدی عیسوی میں کوپرنیکس اور بعد میں جوہانز کیپلر، گلیلیو اور نیوٹن نے ارسطو/ بطلیموس کائناتی ماڈل کا خاتمہ کر کے کائنات کے بارے میں جدید نظریات متعارف کرائے لیکن مطلق وقت اور ساکن کائنات کے تصورات باقی رہے۔ بعد میں آئن سٹائن نے آ کر نہ صرف ان دو نظریات کو ختم کر دیا بلکہ ان کے وضع کردہ نظریہ عمومی اضافیت نے کائنات کے بارے میں پرانے نظریات کو یکسر بدل دیا۔ انہوں نے وقت کی ایک جہت اور خلاء کی تین جہتوں کو ملا کر چار جہتی (Four Dimentional).....Space - Time کی اصطلاح وضع کی۔ ان کی مساوات $E=mc^2$ نے وقت اور خلاء کو حرکی حیثیت دے کر انہیں خاموش پس منظر سے نکال کر کائنات کی حرکی (Dynamic) دنیا میں ایک اہم شراکت دار کی حیثیت دی۔

کائنات کے بارے میں انسانی تصورات میں ایک انقلابی تبدیلی اس وقت رونما ہوئی جب 1929ء میں ایڈون ہبل نے اعلان کیا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ وسعت پذیر کائنات کے تصور نے چند مزید نظریات کو جنم دیا جن میں دو اہم نظریے کہکشائیں اور بگ بینگ شامل ہیں۔ کائنات کی تخلیق کے بارے میں نظریہ ارتقاء اور نظریہ خصوصی تخلیق کے درمیان ہمیشہ ٹکراؤ اور چپقلش رہی ہے۔ پہلے نظریے کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر شے کو اس کے نقطۂ آغاز سے پیدا کرتا ہے اور پھر اسے مختلف ارتقائی مراحل سے گزار کر نقطۂ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ دوسرے نظریے کے مطابق کائنات کی ہر شے، ہر قسم کا پودا یا حیوان جو آج موجود ہے وہ بالکل اسی شکل میں معرض وجود میں آیا جس شکل میں وہ آج نظر آ رہا ہے۔ انواع غیر متبدل ہیں۔ 19 ویں صدی میں بہت سے لوگ مع چند سائنسدانوں کے اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ انواع الگ الگ تخلیق کی گئی ہیں۔ مگر بیسویں صدی کے آغاز میں بگ بینگ کے نظریے سے خصوصی تخلیق کے نظریے کو سخت دھچکا لگا۔ بگ بینگ نظریے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ ابتدا میں کائنات موجودہ شکل میں نہیں تھی۔ کائنات کوئی ساکن اور جامد وجود نہیں بلکہ متحرک اور ارتقاء پذیر ہے۔ اس میں منظّم و مربوط انداز سے تبدیلیوں کا ایک سلسلہ جاری ہے۔ ہر شے ایک خاص قانون کے تحت نشوو ارتقاء کے مدارج طے کر رہی ہے اور اس طرح ایک ادنیٰ حالت سے دوسری اعلیٰ حالت میں تبدیل ہو رہی ہے۔ لیکن ''یہ تحول اور تقلب کچھ ایسے غیر محسوس انداز میں ہو رہا ہے کہ سطح بیں آنکھ اسے محسوس طور پر دیکھ نہیں سکتی اور پھر یہ تبدیلیاں اتنے طویل عرصے کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہیں کہ انسانی یادداشت کے لئے اس کا ریکارڈ رکھنا مشکل ہے''۔ (ابلیس و آدم) انسان کی داخلی دنیا ہو یا خارجی کائنات ہر جگہ قوانین کی کارفرمائی ہے اور یہ قوانین نہ اشیائے کائنات کے وضع کردہ ہیں اور نہ ہی انسانوں کے مرتب کردہ۔ یہ قوانین اسی خدا کے متعین کردہ ہیں جس نے ان اشیائے کائنات اور انسان کو پیدا کیا ہے۔

نظریہ ارتقاء کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ گذشتہ چند صدیوں میں نظریہ ارتقاء کے متعلق کئی تصورات سامنے آئے جن میں خصوصی

تخلیق کا نظریہ بھی شامل ہے۔ ہر چند کہ طبعیاتی سائنس نے وسعت پذیر کائنات اور بگ بینگ کے نظریات سامنے آنے کے بعد اس نظریے کو تقریباً مسترد کر دیا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں آج بھی اس نظریے کی حمایت میں کافی لوگ موجود ہیں۔ اس کے حق میں کافی لٹریچر میری نظر سے گذرا ہے لیکن میں یہاں صرف دو کتابوں کا ذکر اس لئے کروں گا کہ ان کتابوں کے فاضل مصنفین نے اپنے موقف کے حق میں سائنس اور قرآن کریم کے حوالے دیئے ہیں۔ ان میں پہلی کتاب انجینئر جناب فتح اللہ خان کی ہے جس کا نام 'God, Universe and Man" ہے۔ اور دوسری کتاب ترکی کے مذہبی سکالر جناب ہارون یحییٰ کی "Evolution deciet" (نظریہ ارتقا ایک فریب) ہے۔ میرے نزدیک انجینئر صاحب کی کتاب کی اہمیت اور افادیت اس لئے زیادہ ہے کہ اس میں کائنات اور انسان سے متعلقہ قرآن پاک کی اکثر آیات کا حوالہ مل جاتا ہے۔ ان کے موقف سے قطع نظر، انہوں نے بڑی محنت اور قابلیت سے یہ عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے جس کی تعریف کرنی چاہئے۔ جناب ہارون یحییٰ نے چند قرآنی آیات کا حوالہ ضرور دیا ہے مگر ان آیات کریمہ کا زیر بحث موضوع سے کسی صورت تعلق نہیں بنتا۔ ان پر آگے چل کر مناسب مقامات پر گفتگو ہوتی رہے گی یہاں میں صرف اتنا عرض ضرور کروں گا کہ ان کتابوں کے گہرے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان حضرات کا اصل اعتراض بذات خود نظریہ ارتقاء پر نہیں بلکہ ان تصورات پر ہے جو اکثر سائنسدانوں اور فلسفیوں نے ارتقاء کے بارے میں وضع کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ کائنات بغیر کسی خالق کے کسی نہ کسی طرح خود بخود وجود میں آ گئی تھی اور اب اس کا ارتقاء بھی اندھی قوتوں کے تحت بغیر کسی شعوری عمل کے، بے مقصد اور بے منزل جاری ہے۔ حیوانی اور انسانی ارتقاء میں شعوری مماثلت اور یہ تصور کہ انسانی نفس یا روح بھی مادہ ہی کی ایک صورت اور اسی کی نشوو ارتقاء کا نتیجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے باطل نظریات پر اعتراضات بالکل درست اور جائز ہیں لیکن جیسا کہ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ ان غلط تصورات کا تعلق خود ارتقاء کے عمل سے ہے ہی نہیں۔ لہٰذا ان تخیلات کی آڑ لے کر خود ارتقائی عمل کی مخالفت کرنا ایک بہت بڑی غلط فہمی کا نتیجہ ہے جو کسی پہلو سے بھی مناسب نہیں۔

ہمارا آج بھی روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کائنات میں منظم و مربوط انداز سے تبدیلیوں کا ایک سلسلہ جاری ہے ہر شے ایک خاص قانون کے ساتھ نشوو ارتقاء کے مدارج طے کر رہی ہے۔ لہٰذا تعجب کیا ہے کہ جو چیزیں اس وقت موجود ہیں وہ بھی ماضی کے ادوار میں ایک اور ارتقائی اور تدریجی عمل میں وجود میں آئی ہوں۔ اور پھر یہ تصور ہمارے اس مسلمہ سے بھی مطابقت رکھتا ہے کہ قدرت کے اندر ایک قانونِ تسلسل کام کر رہا ہے۔ قدرت کے عمل میں کہیں کوئی خلاء نہیں کوئی چیز بغیر سبب یا اچانک وجود میں نہیں آتی''۔ (قرآن اور علم جدید از رفیع الدین) ''ارتقاء حیات و کائنات کی ایسی حقیقت ہے جس سے انکار کرنا اور نظریں چرانا نفی حیات کے مترادف ہے۔ کائنات اور اس میں موجود ہر چیز ایک دوسرے سے زنجیر کی کڑیوں کی صورت میں اس طرح جڑی ہوئی ہے کہ کہیں بھی خلا واقع نہیں ہوتا''۔ (اقبال کا نظریہ حیات) کائنات کی ہر شے مسلسل تغیر و تبدل کے عمل سے گذرتی ہوئی بتدریج ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی شکل

وساخت، حالت اور کارکردگی کے اعتبار سے ارتقائی منازل کی جانب گامزن رہتی ہے کوئی چیز اچانک یا بغیر علت کے وجود میں نہیں آتی بلکہ اس کے پیچھے اس کی حیاتیاتی تاریخ ہوتی ہے۔ فلاسفہ اور حکماء کے نزدیک یہ ساری کائنات ایک مسلسل ارتقا کا نتیجہ ہے۔ یہ سلسلہ مختلف شکلیں بدلتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے۔ اس کی آخری کڑی انسان ہے۔

نظریہ ارتقا کا موضوع اتنا آسان اور سادہ بھی نہیں بلکہ خاصا مشکل ہے۔ اس کی پیچیدگی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ بیک وقت فلسفہ، مابعد الطبعیات، سائنس اور مذہب سے منسلک رہا ہے۔ کسی نہ کسی صورت میں مشرق و مغرب کے حکما و سائنسدان اس موضوع پر اپنے نتائج فکر پیش کرتے رہے ہیں۔ اس مشکل مسئلہ کی صدیوں پر پھیلی ہوئی روایات کا جائزہ اور ان کی روشنی میں علامہ اقبالؒ نے اس نظریے پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ان کے خطبات کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح طور پر اُبھر کر سامنے آجاتی ہے کہ تصورِ ارتقا ابتدا ہی سے علامہ کے فکر و خیال کا مرکز رہا ہے۔ فکر اقبالؒ کی تمام تر بنیاد ان کے تصورِ ارتقا پر مبنی ہے۔ یہ تصور اقبال کے فلسفہ اور کلام کے رگ وریشے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ ان کے نزدیک اسلام ارتقاء کو ایسی آفاقی حقیقت قرار دیتا ہے کہ جس کی رُو سے کائنات اور اس میں موجود کوئی شے اس سے مبرا نہیں۔ یعنی ہر شے قانون ارتقاء کی زد میں ہے۔ حضرتِ علامہؒ نے نہ صرف یہ کہ قرآن مجید کی تعلیم کے زیر اثر اس بات پر زور دیا کہ کائنات کوئی جامد و ساکن شے نہیں جو کہیں پڑی ہوئی ہو اس میں روانی اور حرکت ہے وہ متناہی مگر اضافہ پذیر ہے۔ بلکہ انہوں نے قرآن مجید کی روح کو فلسفہ یونان کے منافی قرار دیا۔ کیونکہ قرآن مجید کا زور چونکہ محسوس اور ٹھوس حقائق پر ہے اور حکمت یونان کا حقائق کی بجائے نظریات پر، لہٰذا یونانی فلسفے سے انحراف کے بعد ہی اسلامی تہذیب و ثقافت کی حقیقی روح برسرکار آئی۔ اقبالؒ کے نزدیک ارتقاء ہی زندگی ہے اور زندگی ارتقا کا نام ہے۔ حضرت علامہؒ نے اسلامی ربوبیت کے حوالے سے قرآنی تصورِ ارتقاء اور انسان کے حیاتیاتی ارتقاء کی بحث کو بھی تفصیل سے پیش کیا ہے۔ ڈارون پر تفصیلی گفتگو تو آگے چل کر سامنے آئے گی، یہاں پر صرف اتنا عرض کروں گا کہ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے اور جناب ہارون یحییٰ نے بھی اسی خیال کے تحت ڈارون کو نظریہ ارتقا کا بانی ظاہر کیا ہے۔ یہ بات تو درست ہے کہ ارتقا کے صرف ایک حصے یعنی نامیاتی ارتقاء (Organic Evolution) کے بارے میں ڈارون نے جدید نظریات پیش کئے تھے لیکن انہیں اس نظریے کا بانی قرار دینا حقیقت کے قطعاً خلاف ہے۔ حضرت علامہ نے اسلام کے ابتدائی دور کے مسلم مفکرین کے نظریات ارتقا کو پیش کر کے ثابت کر دیا ہے کہ ڈارون سے صدیوں پہلے مسلم حکماء ارتقا کے بارے میں سیر حاصل گفتگو کر چکے تھے۔ علامہ کے نزدیک ان مسلم مفکرین میں علامہ جاحظ، ابن مسکویہ، علامہ فخر الدین عراقی، نصیر الدین طوسی، برہان الحق ابو ریحان محمد ابن احمد المعروف البیرونی، شہاب الدین سہروردی، علامہ عبدالرحمان ابن خلدون اور مولانا جلال الدین بلخی المعروف رومیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ علامہ نے ان تمام مسلم حکما کا ذکر کیا ہے اور ان کے تصوراتِ ارتقاء سے بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اقبالؒ کی نظر میں ان مفکرین کے خیالات سے ارتقاء کا ایک ایسا حرکی تصور ابھرتا ہے جو مسلم ذہن و فکر کو حیات و کائنات کے ایسے

متحرک تصور کی جانب لے جاتا ہے جو قرآنی روح کے عین مطابق ہے۔

ان ابتدائی مسلم مفکرین اور سائنسدانوں نے کائنات میں کارفرما قوانین کو سمجھنے کے لئے تحقیق و تفتیش کا آغاز کیا تھا' اور جیسا کہ میں اپنے گذشتہ مضمون میں عرض کر چکا ہوں' کائناتی حقائق کے لئے استقرائی طریقہ یونانی فلسفے سے یکسر مختلف تھا۔ یونانی بقول رابرٹ بریفالٹ اور برٹرینڈ رسل کائناتی قوانین کو سمجھنے کے لئے محض خیالات' تصورات اور تعمیمات (Generalisations) سے کام لیتے تھے۔ مسلمان مفکرین نے سائنسی طریقہ کار کے تحت اپنی تحقیقات کو قدرت کے ان قوانین سے شروع کیا جو بالکل آشکارا اور پیش پا افتادہ ہیں۔ اس آغاز کے بعد مزید مشاہدات اور تجربات کو وسعت دے کر سائنسی علوم کے ذخیرے میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ بعد میں اس ذخیرے کو تحریر کی شکل میں آنے والی نسل کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے۔ جب مسلمانوں نے غور و تدبر' تحقیق و تدقیق سے کام لینا چھوڑ دیا تو دوسری اقوام نے یہ سلسلہ شروع کر دیا اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ سائنس کے اس تدریجی طریقہ کار کے برعکس وحی یا نبوت کی طرز تعلیم کا طریقہ کار مختلف ہوتا ہے۔ وحی بنیادی اور اساسی حقائق کو بیان کرتی ہے اور ان کی باریک تفصیلات اور جزویات میں نہیں جاتی۔ کیونکہ اللہ کو علم ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں کو نمودے کر ان جزوی تفصیلات کا بتدریج علم حاصل کرتا جائے گا۔ اس کی کئی مثالیں ہیں۔ مثلاً انسانی پیدائش کے بارے میں چند ارتقائی مراحل کا ذکر اس طریقے سے کیا گیا ہے۔ ''ہم نے انسان کی تخلیق مٹی کے خلاصہ (Inorgonic Matter) سے کی (پھر ہمارا یہ تخلیقی پروگرام اس کڑی تک جا پہنچا جہاں افزائش نسل' بذریعہ تولید ہوتی ہے) اس طرح ہم نے اسے نطفہ بنا دیا جو (رحم کے اندر) ٹھہر گیا اور مادہ کے بیضہ میں قرار گیر ہو گیا۔ پھر اس نطفہ کو علقہ (خلیوں کا گچھا) میں تبدیل کیا۔ پھر اس علقہ کو گوشت کا لوتھڑا (مضغہ) بنا دیا۔ پھر اسی لوتھڑے میں ہڈیوں کا ڈھانچہ ابھار دیا اور پھر اس ڈھانچے پر گوشت کی تہ چڑھا دی۔ (یہاں تک کے مراحل حیوانی زندگی کے قانون طبیعی کے مطابق طے ہوتے ہیں) اس کے بعد ہم اس میں اپنی توانائی کا شمہ (Divine Energy) ڈال کر اسے ایک بالکل نئی قسم (خلقا اخر) کی مخلوق بنا دیتے ہیں'' 14-12:23۔ یہ جدید قسم کی مخلوق' جو حیوانی زندگی سے یکسر مختلف ہے' انسان ہے۔ ان آیات میں صرف بنیادی قوانین کا ذکر ہے دیگر ذیلی قوانین مثلاً مٹی سے انسان کی تخلیق کن کن مراحل سے گذری ہے یا رحم مادر میں جنین (مضغہ) کے ارتقاء کی پوری تفصیلات کیا ہیں' ان کا ذکر نہیں کیا گیا جنہیں اب انسانی علم سمجھ چکا ہے۔ ان ذیلی یا تفصیلی جزیات کا ذکر نہ کرنے میں بھی ایک اہم حکمت پوشیدہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان جزئیات کا ذکر اس وقت کرتے تو اُس وقت وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھیں۔ وحی نے اپنے اسی طریقہ کار کے مطابق ارتقاء کے بارے میں بھی چند بنیادی اور اساسی قوانین کا ذکر کیا ہے اور تفصیلات انسانی عقل و شعور پر چھوڑ دی ہیں۔ انسانی زندگی کے ارتقائی مراحل کے حق میں قرآن مجید کے مزید حوالے بعد میں دیئے جائیں گے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ نظریہ ارتقاء کے ناقدین خود ارتقاء پر جو اعتراضات اٹھا رہے ہیں وہ ایک غلط فہمی کا نتیجہ ہیں۔ ڈاکٹر

رفیع الدین نے اس غلط فہمی کا تفصیل سے نہ صرف ذکر کیا ہے بلکہ اس غلط فہمی کو دور کرنے کا حل بھی پیش کیا ہے۔ یہ حضرات نظریہ ارتقاء کی نفی اس لئے کرتے ہیں کہ یہ نظریہ کائنات کو بے مقصد قرار دیتا ہے۔ اس کا کسی کو بھی خالق تسلیم نہیں کرتا۔ ہر چیز اندھے قوانین کے تحت محض اتفاق سے خود بخود پیدا ہو رہی ہے جس کا نہ کوئی مقصد یا کوئی منزل ہے۔ اور سب سے اہم کہ یہ نظریہ مادہ پرستی کی بنیاد پر قائم ہے۔ ڈاکٹر صاحب بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ 19 ویں صدی میں سائنسدانوں نے مادہ پرستانہ تصورات کو جنم دیا جس کے نتیجے میں علمی حلقے مذہب و روحانیت کے سخت مخالف ہو گئے اور حقائق کی روحانی توجیہہ کو غیر علمی، مذہبی تعصب اور تنگ نظری کا نتیجہ قرار دینے لگے۔ ڈارون کا نظریہ اسی ذہنی رجحان سے پیدا ہوا اور یہ نظریہ 19 ویں صدی کی مادیت کا سب سے پہلا ثمر ہے۔ ان کے نزدیک یہ الحاد کی جڑ ہے۔ اور یہ کلیہ بالخصوص کارل مارکس، میکڈوگل، فرائیڈ اور مکیاولی کے نظریات پر حاوی ہے۔ انہوں نے مادیئین کے دو گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک گروہ حیوان کو انسان کی سطح پر لاتا ہے اور دوسرا انسان کو حیوان کی سطح پر لے آتا ہے۔ ان کے نزدیک مغربی مادی فلسفیانہ نظریات کے سدِ باب کے لئے ڈارون کے نظریات کی غلطیوں کو آشکار کرنا اور اس کے درست اور صحیح عناصر کو ان کی مناسب جگہ پر رکھنا ضروری ہے۔ ارتقائی عمل کا قائل ہونے کے باوجود اس نظریہ کی اتنی شدید مخالفت بظاہر کچھ عجیب بلکہ تعجب انگیز لگتی ہے۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں ڈاکٹر صاحب نے درحقیقت خود ارتقائی عمل کی مخالفت نہیں کی بلکہ اس عمل سے وابستہ ان نظریات کو مسترد کیا ہے جو کچھ مادہ پرست لوگوں نے ارتقاء سے جوڑ رکھے ہیں۔ ارتقاء کے صحیح ادراک کے لئے ڈاکٹر صاحب نے ڈارون کے نظریے کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ (ان دونوں حصوں کی تفصیلی وضاحت انشاء اللہ آپ اگلی قسط میں ملاحظہ فرمائیں گے)۔ جاری ہے۔

☆.....☆.....☆

ضرورت رشتہ

ایک دوشیزہ عمر 32 سال، لمبا قد، تعلیم ایف ایس سی فرسٹ ڈویژن قرآنی گھرانے کی بچی کے لئے ہم عمر برسرروزگار قرآنی مزاج کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0323-8464246

پاکستان میں
غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل منظور شدہ مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔ رابطہ محمد احمد نواز خان ایڈووکیٹ۔ فون: 0992-334699۔ موبائل: 0314-5035285	بروز اتوار	11AM
اسلام آباد	مکان نمبر 302۔ اسٹریٹ نمبر 57۔ سیکٹر F-11/4۔ رابطہ ڈاکٹر انعام الحق۔ فون: 051-2290900		
اوکاڑہ	برمکان احمد علی، بیت الحمد 4-AB-180، ابوبکر بلاک شادمان کالونی، ایم۔اے جناح روڈ، نزد مبارک مسجد رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325، موبائل: 0321-7082673	بروز جمعہ	3PM
بونیر	حجرہ حفیظ الرحمٰن۔ کس کورونہ۔ طوطالئی۔ بونیر۔ رابطہ قاسم خان: 0314-9911900 رابطہ حفیظ الرحمٰن: 0314-9508409 - 0313-9471294	ہر ماہ پہلا اتوار	صبح 9 بجے
پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین۔ رابطہ ڈاکٹر محمد سلیم قمر۔ تحصیل کبیر والا	بروز جمعہ	3PM
پنڈ دادن خان	رابطہ محمد نذیر۔ بمقام وڈاک خانہ روال نزد غریب وال سیمنٹ فیکٹری، تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم فون نمبر: 0346-6450130	ہر بدھ اور سوموار	بعد نماز عشاء
جہلم	جنجوعہ ٹاؤن، پوسٹ آفس فوجی ملز۔ رابطہ قمر پرویز صاحب ایڈووکیٹ Behind Punjab College پنجاب کالج کے عقب۔ فون: 0544-614483		
چوٹی زیریں	بردوکان لغاری برادرز، زرعی سروس، ڈیرہ غازی خان۔ رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔ موبائل: 0331-8601520	ہر ماہ پہلا اتوار	12 بجے دن
چنیوٹ	11/9-W، گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: چوہدری دلمیر خان، فون: 047-6331440-6334433، موبائل نمبر: 0321-7704564	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
حیدرآباد (قاسم آباد)	محترم ایاز حسین انصاری، B-12، حیدرآباد ٹاؤن، فیز نمبر 2، قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر آخری بس سٹاپ۔ رابطہ موبائل: 0336-3080355	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
راولپنڈی	فرسٹ فلور، کمرہ نمبر 114، فیضان پلازہ۔ کمیٹی چوک۔	بروز جمعہ	4PM
	رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ، موبائل: 0331-5035964	بروز اتوار	4PM
راولپنڈی	برمکان امجد محمود، مکان نمبر 14/A، گلی نمبر 4، راہ طلوع اسلام، جنجوعہ ٹاؤن، اڈیالہ روڈ، نزد جراہی سٹاپ، راولپنڈی۔ رابطہ: رہائش: 051-5573299، موبائل: 0322-5081985	بروز اتوار	10AM

خان پور	بمقام مکان حبیب الرحمان، محلّہ نظام آباد وارڈ نمبر 9 خان پور، ضلع رحیم یار خان رابطہ: نمائندہ حبیب الرحمٰن۔ فون نمبر گھر: 068-5575696، دفتر: 068-5577839	
سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹر سٹی، سٹی ہاؤس، سٹی سٹریٹ، شہاب پورہ روڈ، رابطہ: محمد حنیف 03007158446۔ محمد طاہر بٹ 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار 5PM
سرگودھا	B-4، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد مکی مسجد چاندنی چوک، رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-711233	بروز منگل 7PM
فیصل آباد	رحمان نور سینٹر، فرسٹ فلور، مین ڈگلس پورہ بازار، رابطہ: محمد عقیل حیدر، موبائل: 0313-7645065	بروز جمعہ 4PM
کراچی	105 سی بریز پلازہ، شاہراہ فیصل۔ رابطہ مجاہد حسین، فون نمبر: 0321-2252335	بروز اتوار 10AM
کراچی	A-446 کوہِ نور سنٹر، عبداللہ ہارون روڈ، رابطہ محمد اقبال۔ فون: 021-35892083، موبائل: 0300-2275702	بروز اتوار 10AM
کراچی	ڈبل اسٹوری نمبر 16، گلشن مارکیٹ، کورنگی نمبر 5، ایریا 36/C، پوسٹ کوڈ 74900 رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-35031379-35046409، موبائل: 0321-2272149	بروز اتوار 2PM
کراچی	نالج اینڈ ویزڈم سنٹر، سلمان ٹاورز، آفس نمبر A-45، بالمقابل نادرا آفس، ملیر سٹی۔ رابطہ: آصف جلیل فون: 021-35421511، موبائل: 0333-2121992، محمود الحسن۔ فون: 021-35407331	بروز اتوار 11AM
کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ۔ رابطہ ڈاکٹر غلام صابر، فون: 081-2825736، موبائل 0333-7937101	بروز اتوار 4PM
گوجرانوالہ	شوکت نرسری، گل روڈ، سول لائنز۔ رابطہ چوہدری تسنیم شوکت، موبائل: 0345-6507011	بروز جمعہ بعد نماز عصر
لاہور	B-25، گلبرگ 2، (نزد مین مارکیٹ، مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-35714546	بروز اتوار 9:30AM
لاڑکانہ	مکان نمبر 1582 پرانا عیدگاہ روڈ نزد قاسمیہ مسجد محلّہ جاڑل شاہ، رابطہ سکندر علی عباسی، فون: 074-4042714، اللہ بخش شیخ، موبائل: 0333-7542644	بروز جمعہ بعد نماز مغرب
منڈی۔۔ بہاؤالدین	رابطہ: خان محمد (وڈیو کیسٹ) بر مکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1، محلّہ صوفی پورہ۔ فون نمبر: 0456-520969 موبائل نمبر: 0334-4907242	بروز جمعہ 10 AM
نواں کلی، صوابی	رابطہ ہومیو ڈاکٹر ایم۔ فاروق، محلّہ خدر خیل۔ فون نمبر:	بروز اتوار 10 AM
صوابی	بمقام چار باغ، (حجرہ ریاض الامین صاحب)، (رابطہ: وکیل زادہ انچارج یوٹیلیٹی سٹورز، مردان روڈ، صوابی) فون نمبر: 223309 (0938)	بروز اتوار 3 PM
مینگورہ سوات	رابطہ محمد خورشید انور خان۔ خالد پلازہ حاجی شمس الحق۔ نشاط چوک۔ مینگورہ ضلع سوات۔ فون 0315-9317755	ہر ماہ پہلے جمعہ کو 2PM
علی گرام۔ سوات	رابطہ محمد ظاہر شاہ خان۔ علی گرام۔ تحصیل کبل ضلع سوات۔ فون: 0346-9467559	ہر جمعہ 8:30AM
فتح پور، سوات	فتح پور، سوات، رابطہ: محمد خورشید انور خان، فون: 0946600277، موبائل: 0315-9317755 امیر زیب خان۔ موبائل: 0344-9893235	ہر اتوار 3PM

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

منظور حسین لیل۔ بھکر

پرویز صاحب کا نظریۂ قرآن کریم

تدبر فی القرآن

تدبر فی القرآن:۔ پرویز صاحب قرآن کریم میں تدبّر کے بارے میں کہتے ہیں۔ ''یہ سلسلہ قانونِ کائنات کے مطابق اپنی ارتقائی منازل طے کرتا ہوا بڑھتا چلا جائے گا۔ قرآن فہمی کا یہ سلسلہ نہ کسی دور میں ختم ہوسکتا ہے نہ کسی انسان تک پہنچ کر رک سکتا ہے۔ یہ ایک جوئے رواں ہے جو لامتناہی وسعتوں کا امکان رکھتی ہے۔ جوں جوں انسانی علم وسیع ہوگا قرآنی حقائق بیش از بیش بے نقاب ہوتے جائیں گے۔ یہ سلسلہ یوں ہی رہے گا۔ حتیٰ مطلع الفجر۔'' لہٰذا ''کسی ایک دور کے کسی ایک انسان کے تدبّر کو حرفِ آخر نہیں کہا جا سکتا۔ حرفِ آخر کا حق تو آخری انسان ہی کے لئے چھوڑنا ہوگا''۔ ''اے رسول! تم ان سے کہہ دو کہ علمِ خداوندی کی وسعتوں کا یہ عالم ہے کہ اگر سمندر روشنائی بن جائے (اور زمین کے تمام درخت قلمیں۔ ۳۱/۲۷) اور سمندر کا پانی ختم ہو جائے لیکن میرے نشو ونما دینے والے کے قوانین وحقائق کی تفصیلات ختم نہ ہوں، خواہ اس کے ساتھ اس جیسے اور سمندر کا بھی اضافہ کر دیا جائے۔'' (۱۸/۱۰۹)۔ قوانین کائنات کی لامتناہیت کے متعلق علوم کائنات کے ماہرین ہی کچھ کہہ سکتے ہیں اور وہ آئے دن اس کا اعتراف بھی کرتے رہتے ہیں۔ علومِ قرآنی کی پہنائیوں کا یہ عالم ہے کہ اس باب میں بھی حرفِ آخر دنیا کے آخری انسان کے لئے چھوڑنا پڑے گا۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ: سَنُرِیۡہِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمۡ اَنَّہُ الۡحَقُّ..... (41:53)۔ ''ہم نوعِ انسان کو انفس و آفاق میں اپنی نشانیاں دکھاتے جائیں گے۔ تا آنکہ یہ حقیقت ان پر واضح ہو جائے کہ قرآن کا ہر دعویٰ مبنی برحقیقت ہے۔'' اب ظاہر ہے کہ عالمِ انفس وآفاق کے مستور حقائق تو حدود نا آشنا ہیں۔ علمِ انسانی جوں جوں وسیع، عمیق اور بلند ہوتا جائے گا، زمانے کی لہروں میں لپٹے ہوئے حقائق بے نقاب ہوتے، اور اس طرح نت نئے عنوانات سامنے آتے جائیں گے۔'' (تبویب القرآن، جلد اول، مراحلِ تجسس)۔

ماہنامہ طلوعِ اسلام:۔ نومبر ۲۰۱۲ء۔ سرورق:۔ ''پاکستان کی سپریم کورٹ نے ایک فیصلہ صادر فرمایا جو (P.L.D) کی اشاعت بابت اگست 1980ء میں شائع ہوا۔ اس میں ریٹائرڈ جسٹس محمد شفیع کے ایک فیصلے کا اقتباس بھی دیا گیا ہے، جس میں انہوں نے کہا تھا کہ یہ حقیقت واضح ہے کہ قرآن کریم کا پڑھنا اور سمجھنا کسی ایک یا دو افراد کی اجارہ داری نہیں۔ اسے آسان اور قابلِ فہم زبان میں نازل

کیا گیا تھا تا کہ جو مسلمان بھی کوشش کریں' اسے سمجھ سکیں اور اس پر عمل بھی کر سکیں۔ اس سے ثابت ہے کہ قرآن کے پڑھنے اور سمجھنے کا حق ہر مسلمان کو دیا گیا ہے' جسے کوئی شخص' خواہ وہ کتنے ہی بلند منصب پر فائز اور صاحبِ علم کیوں نہ ہو' اس سے چھین نہیں سکتا۔ قرآن کے سمجھنے کے لئے متقدمین کی تفسیروں سے صرف استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کی تعبیر میں انہیں حرفِ آخر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ قرآن کے پڑھنے اور سمجھنے سے مراد اس کی تعبیر ہے اور تعبیر سے مقصود یہ ہے کہ اس کے احکام کو حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں اور دنیا کی بدلتی ہوئی ضرورتوں کی روشنی میں نافذ کیا جائے۔ اگر ان مفسرین کی تعبیرات کو' جو بارہ تیرہ سو سال پہلے ہو گزرے ہیں' حرفِ آخر سمجھ لیا جائے تو تمام مسلم معاشرہ ایک فولادی پنجرے میں محبوس ہو جائے گا اور اسے اس کی اجازت ہی نہیں ہو گی کہ وہ زمانے کے ساتھ نشو ونما پا سکے۔ اس سے اسلام ایک عالمگیر دینی نظام ہونے کی بجائے ایک ایسا مذہب بن کر رہ جائے گا جو اُسی زمانے تک محدود رہے گا جس میں وہ نازل ہوا تھا۔''

قرآن کریم کو سمجھنے کی شرط:۔ مطالب الفرقان۔ جلد۔ اوّل۔ آغازِ سخن:۔ ''قرآن کریم کے سمجھنے کی ایک شرط تدبر فی القرآن ہے (۴/۸۲)۔ یعنی اسے غور وفکر' عقل وبصیرت اور علم وشعور کی رو سے سمجھنا۔ تدبر فی القرآن کا حکم نہ کسی خاص فرد کے لئے ہے' نہ کسی خاص زمانے کے لئے۔ وہ تمام افراد کے لئے ہے' اور ہر زمانے کے لئے۔ اس لئے قرآن مجید کو نہ تو تقلیداً سمجھا جا سکتا ہے' نہ کسی اور کا فکر وتدبر' دوسرے کے لئے سند وحجت ہو سکتا ہے۔ دوسروں کے تدبر سے استفادہ کیا جا سکتا ہے' کہ علم نوعِ انسان کی وراثت ہے' لیکن نہ وہ سند ہو سکتا ہے' نہ حرفِ آخر۔

تدبر فی القرآن کے سلسلہ میں' خدا نے یہ بھی کہا ہے کہ: سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (41:53)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جوں جوں' انفس وآفاق (خارجی کائنات اور خود نفسِ انسانی) میں پوشیدہ حقائق بے نقاب ہوتے جائیں گے' قرآنی دعاوی کی صداقت نکھر کر سامنے آتی جائے گی۔ لہٰذا' قرآن کریم پر غور وتدبر کرنے والے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے زمانے میں علمِ انسانی جس سطح پر پہنچ چکا ہے' اس پر بھی اس کی نگاہ ہو۔ قرآن' انسانی زندگی کے تقاضوں کا حل پیش کرتا ہے۔ اگر کسی کو یہی معلوم نہ ہو کہ اس کے زمانے کے انسانی تقاضے کیا ہیں' اور انسانی فکر کی کاوشیں ان کے متعلق کس نتیجہ پر پہنچی ہیں' تو وہ قرآن سے راہنمائی کیا حاصل کر سکے گا؟۔ تدبر فی القرآن کے ضمن میں ایک اور نکتہ بھی سمجھ لینے کے قابل ہے۔ قرآن کریم میں کچھ تو احکام وقوانین دیئے گئے ہیں اور کچھ حقائق۔ احکام وقوانین ایسے الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں جن کے معانی متعین ہیں۔ لیکن حقائق' بالخصوص وہ حقائق جن کا تعلق مابعد الطبیعیات سے ہے' انہیں تشبیہات' تمثیلات اور استعارات کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ مجرد حقائق (Abstract Realities) کو بیان ہی اسی انداز میں کیا جا سکتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ تشبیہات واستعارات سے ان حقائق

سے متعلق، ہر صاحبِ فکر، اپنے فہم اور علمی سطح کے مطابق تصور قائم کر سکتا ہے۔ بناء بریں، ان تصورات میں فکری اختلاف قابلِ فہم ہے۔ لیکن جہاں تک قرآنی احکام یا راہنمائی کا تعلق ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا۔ قرآنی راہنمائی کی بھی یہ صورت ہے کہ اس میں بعض احکام متعین ہیں اور بعض اصول واقدار کی شکل میں۔ جہاں تک اصول واقدار کا تعلق ہے، ان کی عملی جزئیات قرآن کریم نے خود متعین نہیں کیں، انہیں اسلامی مملکت پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ان پر عمل پیرا ہونے کے طریق وضع کرے۔ اس طرح اُمت میں وحدت فی العمل پیدا ہوگی اور برقرار رہے گی۔ قرآن فہمی کے سلسلہ میں اس اہم حقیقت کا پیشِ نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔

تدبر فی القرآن کے سلسلہ میں ایک بنیادی شرط۔۔۔۔۔ یہ بھی ہے کہ جب تک آپ اپنے ذہن کو پہلے سے قائم شدہ نظریات، معتقدات اور تصورات سے پاک نہیں کرلیں گے قرآن کریم کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آسکے گا (۵۶/۷۹)۔ جو شخص پہلے سے کوئی خیال قائم کر کے، قرآن کی طرف اس لئے آتا ہے کہ اُسے اپنے خیال کی سند اور تائید قرآن سے حاصل ہو جائے، اس کی رسائی صداقت تک نہیں ہوسکتی۔''

تطہیرِ فکر و نظر:۔ ماہنامہ طلوعِ اسلام فروری ۱۹۸۳ء۔ ص۔ ۵۶:۔ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (56:79)' قرآن کا واضح ارشاد ہے۔ یعنی جس کے قلب و نگاہ، انسانی خیالات کی آمیزشوں سے پاک نہ ہوں، اسے قرآن سے کوئی مس نہیں ہوسکتا۔ انسانی قلب خدا کا مسکن بن نہیں سکتا جب تک اس حریمِ کعبہ سے انسانی فکر کے تراشیدہ بتوں کو نکال باہر نہ کیا جائے۔ جو شخص پہلے سے کوئی خیال قائم کر کے (یعنی شیعہ، سنی، اہلِ قرآن، اہلِ حدیث وغیرہ بن کر) قرآن کی طرف اس لئے آتا ہے کہ اُسے اپنے اس خیال کی (کسی نہ کسی طرح) تائید مل جائے، اُسے قرآن کی بارگاہ سے بری طرح پھٹکار پڑتی ہے۔ اقبال کے الفاظ میں:۔ ع۔

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ اہلِ عرب کی زبان تو عربی ہے، وہ بھی قرآن کو صحیح طور پر کیوں نہیں سمجھ پاتے؟۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بھی قرآن کو (غیر عرب مسلمانوں کی طرح) تقلیداً سمجھتے ہیں۔ یعنی کسی زمانے میں کسی مفسر نے جس طرح قرآن کو سمجھا، وہ آنے والوں کے لئے سند اور حجت بن گیا۔ اس کے بعد یہ سوال ہی نہ رہا کہ قرآن میں خود غور و فکر کیا جائے۔ یہ تقلیدی قرآن، عربوں کو عربی زبان میں پڑھایا جاتا ہے اور غیر عربوں کو ترجموں کے ذریعے اُن کی اپنی زبان میں۔ اپنی فکر سے نہ یہ قرآن کو سمجھتے ہیں نہ وہ۔ اس لئے اس باب میں عرب اور عجم کی کوئی تفریق ہی نہیں رہی۔ تفسیر کی جو کتابیں الازہر میں پڑھائی جاتی ہیں، وہی دیوبند (یا اب کراچی، ملتان اور لاہور کے دارالعلوموں) میں زیرِ تدریس رہتی ہیں۔ اپنی فکر و بصیرت نہ یہاں ہے نہ وہاں۔ قرآن سمجھنے کا سوال، اہلِ زبان ہونے کا نہیں۔ سوال زبان دانی کے بعد، اہلِ فکر و نظر ہونے کا ہے۔'' آگے اس کی مزید وضاحت آ رہی ہے۔

قرآن کی زبان:۔لغات القرآن۔حصہ اوّل۔پیش لفظ:۔''قرآن کریم خدا کی آخری کتاب اور نوعِ انسان کے لئے واحد اور مکمل ضابطہء حیات ہے۔ یہ ایسے ابدی حقائق پر مشتمل ہے جن پر زمانہ کے تغیرات اثر انداز نہیں ہو سکتے' اور جو اس قدر عالمتاب اور ہمہ گیر ہیں کہ زندگی کے ہر شعبے اور تاریخ کے ہر دور میں انسانی فکر کی امامت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس کتاب کی کیفیت یہ ہو اس کی زبان کو کس قدر جامع' ہمہ گیر' وسیع' بلند اور عمیق' اور اس کے ساتھ' کس قدر صاف' واضح اور متعین ہونا چاہیئے۔ ایک مغربی مفکر نے۔ جو عیسائیت سے برگشتہ ہو کر ایک ایسے مذہب کی تلاش میں ہے جو انسانی عقل و بصیرت کی تسکین کر سکے۔ کہا ہے کہ وہ جس مذہب کی تلاش میں ہے اس کی کتاب کی زبان ایسی ہونی چاہیئے:۔ جو ایک طرف ایسی سلیس اور سادہ ہو کہ عام سطح کے انسان بھی اس سے مستفید ہو سکیں اور دوسری طرف اس قدر عمیق اور پُر معنی کہ ایک بلند پایہ مفکر بھی اس سے مطمئن ہو جائے (Julian Huxley.N.Y.Times-22.8-1952)۔قرآن کریم کی زبان اس معیار پر بھی پوری اترتی ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب مشیتِ ایزدی نے قرآن کے انقلابی پروگرام کو عملاً متشکل کرنے کے لئے عربوں جیسی قوم کا انتخاب کیا تو' نزولِ قرآن سے صدیوں پہلے' اس قوم کے ذمے یہ فریضہ عائد کر دیا کہ وہ اپنی زبان کو بتدریج ارتقائی منازل طے کراتے اس مقام تک لے جائے کہ وہ قرآن کے عظیم حقائق کی متحمل ہو سکے۔''

جامعیت:۔قرآن کریم ہر لحاظ سے ایک مکمل اور جامع کتاب ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں نہیں ہو سکتا۔اس کا صرف مفہوم بیان کیا جا سکتا ہے پرویز صاحب نے ''مفہوم القرآن'' کے تعارف میں لکھا ہے۔''حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ' خواہ وہ دنیا کی کسی زبان میں بھی کیوں نہ ہو' قرآنی مفہوم کو واضح کر ہی نہیں سکتا۔حتیٰ کہ اگر قرآن کریم کے الفاظ کی جگہ خود عربی زبان کے دوسرے الفاظ رکھ دیئے جائیں تو بات کچھ سے کچھ ہو جائے گی۔قرآن کریم کا انداز اور اسلوب نرالا ہے۔ یہ اپنی مثال آپ ہے۔الفاظ تو اس کے عربی زبان ہی کے ہیں لیکن ان میں جامعیت اس قدر ہے کہ نہ ان الفاظ کی جگہ دوسرے الفاظ لے سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی ترتیب میں رد و بدل کرنے سے وہ بات رہ سکتی ہے۔اس لئے قرآن کریم کے ترجمہ میں اس کا پورا پورا مفہوم نہیں آ سکتا۔''

قرآن کا ترجمہ نہیں ہو سکتا:۔طلوع اسلام مارچ ۱۹۸۴ء۔ص۔۲۰:۔''خدا نے جہاں بنی اسرائیل کو نبوت و حکومت کے لئے منتخب کیا تھا' دوسری طرف بنی اسرائیل کے ذمے (گویا) فریضہ عائد کر دیا تھا کہ وہ عربی زبان کو اس حد تک (Develop) کریں کہ وہ خدا کے آخری پیغام کے اظہار کا ذریعہ بن سکے۔ یہ ہے وہ عربی زبان جس کے ان الفاظ میں جنہیں خود خدا نے منتخب کیا' قرآن نازل ہوا۔اس کے بعد آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ کیا قرآن کے الفاظ کا بدل کوئی اور الفاظ ہو سکتے ہیں؟۔ بدل ہونا تو ایک طرف' قرآن کا تو

لفظی ترجمہ بھی ایسا نہیں ہوسکتا جو اس کے پورے مفہوم کو ادا کر سکے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف غیر مسلم محققین تک نے کیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر گب (H.A.R.Gib) اس باب میں لکھتے ہیں: ''جس طرح ایک بلند پایہ شعر کا ترجمہ کسی زبان میں نہیں کیا جا سکتا، قرآن کا ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ایک ملہم اپنے الہام کو عام زبان میں ادا کر ہی نہیں سکتا (اس کا انداز و اسلوب ہی جداگانہ ہوتا ہے جس میں) اس کے الفاظ اس طرح بکھرے ہوئے ہوتے ہیں جس طرح (کسی حسین و جمیل) تصویر کو مختلف ٹکڑوں میں منتشر کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ان ٹکڑوں سے اصل تصویر کو سامنے لانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی ہر لکیر کے پیچ و خم اور اس کے رنگوں کے لطیف اور نازک فرق کا، ایک طویل مدت تک، نہایت غور و خوض سے مطالعہ کیا جائے۔ لیکن یہ معاملہ تصویر کے خطوط والوں ہی کا نہیں، بات اس سے کہیں آگے ہے۔ قرآن کے الفاظ کا صوتی اثر بھی ایسا ہے کہ سننے والے کے دل کو اس کے پیغام کی معنویت سے ہم آہنگ کرنے میں، اس کی موسیقی کا بڑا ہی عمل دخل ہے۔ ایسا عمل دخل جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی کتاب کو دوسرے الفاظ میں پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس کی اصل صورت کو مسخ کر رہے ہیں۔ آپ سونے کی جگہ مٹی کے ڈھیلے رکھ رہے ہیں۔ آپ زمین کی دلدل میں پھنسی ہوئی بوجھل عقل کو لاہُوتی فضاؤں میں اُڑنے والے شاہین وحی کا مقام عطا کر رہے ہیں۔ آپ قرآن کا انگریزی زبان میں ترجمہ کرتے ہیں!۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس سے آپ کرتے کیا ہیں؟۔ آپ عربی زبان کی ان تراکیب کی جگہ، جو تراشے ہوئے جواہرات کی طرح مختلف پہلو رکھتی ہیں، ایسے الفاظ لے آتے ہیں جن کا مفہوم متعین ہوتا ہے اور جو محض اس جگہ ٹھونس دیئے جاتے ہیں۔ اور اگر یہ ترجمہ لفظی ہے تو یہ اور بھی بے رنگ اور پھیکا ہوتا ہے۔ قرآن کے جو حصے قصص یا احکام سے متعلق ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان میں یہ کمی زیادہ نقصان دہ نہ ہو، اگرچہ جب ان حصوں کا بھی لفظی ترجمہ سامنے آئے گا تو پڑھنے والا سمجھے گا کہ یہ تو ایک عجیب بے ربط اور ناہموار سی کتاب ہے۔ اور اگر اس ترجمہ میں آپ کہیں قرآن کی جمالی نزاکتوں اور جلالی ضرب کاریوں اور خطابتی وقفوں کو بھی لے آئے (اگر ان کا کسی اور زبان میں منتقل کیا جانا ممکن ہو!۔) تو سامعین کے دل پر اس کا عجیب اضطراب انگیز بلکہ کارلائل کے الفاظ میں بے ہنگم سا اثر ہوگا۔ (مثلاً) قرآن کی ایک سادہ سی آیت ہے: اِنَّا نَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَاِلَیْنَا الْمَصِیْرُ (50:43)۔ انگریزی کیا، دنیا کی شاید کوئی زبان بھی ایسی نہیں جو اس شدت اور قوت کا مظاہرہ کر سکے جو ان چھ الفاظ میں پانچ مرتبہ ''ہم'' کے استعمال سے پیدا ہو رہی ہے۔ (Modern Trends in Islam-p/4)۔'' یہ ہے قرآن کے الفاظ کی اہمیت اور ان کا مقام!۔ آپ سوچئے!۔ کہ اگر ان الفاظ کی جگہ کسی اور زبان کے الفاظ رکھ دیئے جائیں تو کیا یہ الفاظ قرآن کے اصل الفاظ کا بدل ہو سکتے ہیں یا وہ مقصد پورا کر سکتے ہیں جس کے لئے قرآن کے اصل الفاظ آئے ہیں؟۔ اس کا تجربہ آپ ہر روز کرتے ہیں۔ قرآن کے اپنے الفاظ، گب جیسے غیر مسلم کے دل میں اثر و جذب کا ایک محشر برپا کر دیتے ہیں لیکن جب ہم (مسلمان) اسی قرآن کا ترجمہ پڑھتے ہیں تو اس سے ہمارے دل پر کس قدر اثر ہوتا ہے، اس کے متعلق ہم میں سے ہر ایک خود واقف ہے۔؛

ہمارے تراجم کا اثر:۔ اسے کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ مثال کے طور پر سورہ ءق' کی اسی آیت کو لیجئے جسے گِب نے پیش کیا ہے۔ وہ ان لفظوں میں پانچ مرتبہ ''ہم'' کے استعمال سے وجد میں آرہا ہے۔ اب آپ اس کا ترجمہ دیکھئے۔ شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔ تحقیق ہم جِلاتے ہیں اور مارتے ہیں اور طرف ہماری ہے پھر آنا۔ انگریزی زبان میں خود گِب نے جو ترجمہ کیا ہے' وہ یہ ہے:۔ Verily,we give life and death and unto us is the journeying.۔ اس قسم کے تراجم۔ مارماڈیوک پکتھل' محمد علی لاہوری اور یوسف علی کے ہیں۔ آپ غور کیجئے کہ کیا ان تراجم سے آپ کے دل پر وہی اثر مرتب ہوتا ہے جو اصل آیت سے گِب کے دل پر ہوا ہے؟ اس کی وجہ ہماری استعداد یا زبان کی کوتاہ دستی نہیں بلکہ قرآن کے نخلِ طیب کی بلندی ہے۔ اسی مشکل کے پیشِ نظر میں نے ''لغات القرآن'' کے بعد جب ''مفہوم القرآن'' کا کام ہاتھ میں لیا تو اس میں قرآنی آیات کا ترجمہ نہیں دیا بلکہ ان کا مفہوم بیان کیا ہے۔ یہ مفہوم بھی نہ تو کسی طرح اصل کا بدل ہوسکتا ہے' نہ ہی اس کی حیثیت مستقل قرار پاسکتی ہے۔ جب زمانہ کی علمی سطح اور بلند ہوجائے گی تو یہ مفہوم بھی ناکافی ہوجائے گا۔ اگر کسی دور کے ترجمہ کو سندِ دوام عطا کردی جائے تو اس سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ بالکل واضح ہیں۔ اس باب میں مشہور مورخ' ڈاکٹر ٹوِن۔ بی' اپنی کتاب (An Historian's Approach to Religion) میں لکھتا ہے:۔ عیسائیت اور اسلام نے جب اپنی آسمانی کتابوں کا ترجمہ فلسفہء یونان کی اصطلاحات میں کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ کتابیں بے جان اور بے روح ہوکر رہ گئیں۔۔۔ اس سے دوسری خرابی یہ پیدا ہوئی کہ زمانہء مابعد کی سائنٹفک تحقیقات نے جن صداقتوں کا انکشاف کیا وہ یونان کے فلسفہ اور مابعد الطبیعیات سے کہیں مختلف تھیں لہٰذا' ان آسمانی کتابوں کا یونانی ترجمہ ان کی صداقتوں کے راستے میں سنگِ گراں بن کر حائل ہوگیا۔ یونان کا فلسفہ ایک وقتی اور مقامی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے برعکس' یہ آسمانی کتابیں اپنی اصل شکل میں زمان کی قید سے ماوراء تھیں (ص۔۱۲۶)۔ لہٰذا' قرآن کا جو مفہوم بھی کسی ایک دور میں کیا جائے' وہ وقتی ہوسکتا ہے' ابدی نہیں ہوسکتا۔ ابدیت کی سند صرف قرآن کے اپنے الفاظ کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس کا بھی مخالف ہوں کہ قرآن کا ترجمہ بلا متن شائع کیا جائے۔ ترجمہ' متن کا بدل نہیں ہوسکتا۔

نماز' عربی میں:۔ ان تصریحات سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ نماز میں (یا کسی اور جگہ جہاں) قرآن کی آیات آنی چاہئیں' وہاں کوئی دوسرے الفاظ (خواہ وہ عربی زبان کے بھی کیوں نہ ہوں) نہیں لائے جاسکتے۔ اور چونکہ نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے اس لئے کسی اور زبان میں نماز' نماز نہیں کہلاسکتی۔''

عربی زبان:۔ ''قرآن کریم کے متعلق کہا گیا ہے:۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ (26:195)۔ ''اس کتاب کی زبان عربی مبین ہے۔ خود لفظِ ''عربی'' کے معنی بھی فصیح اور واضح کے ہیں۔ اور جب اس کے ساتھ ''مبین'' کا اضافہ کردیا جائے تو اس کے واضح تر ہونے میں کیا

شبہ رہ جاتا ہے۔ یہ کتاب واضح ہے اور:۔ غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ (39:28)۔ ''اس میں کوئی پیچ وخم نہیں، ابہام نہیں، التباس نہیں''۔۔ صاف، نکھری، سیدھی، واضح کتابِ روشن۔ حتیٰ کہ قرآن کو ''نور'' بھی کہا گیا ہے۔ خود روشن اور دنیا کو روشنی عطا کرنے والی کتاب۔ یوں تو قرآن کی زبان عربی کے علاوہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی تھی کیونکہ خدا نے اصول یہ بتایا ہے کہ جس قوم کی طرف رسول بھیجا جاتا ہے، اس رسول کا پیغام اسی قوم کی زبان میں ہوتا ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کے اوّلین مخاطب عرب تھے، اس لئے قرآن انہی کی زبان میں آیا۔ لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مشیّت کا پروگرام کچھ ایسا تھا کہ وہ زبان جس میں قرآن نازل ہونا تھا ایسی جامع، عمیق اور وسیع ہو کہ وہ قرآنی حقائق کی متحمل ہو سکے۔ علم الالسنہ کے ماہرین بتاتے ہیں کہ اس باب میں دنیا کی کوئی زبان عربی زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

(ماہنامہ طلوعِ اسلام فروری ۱۹۸۳ء۔ صفحہ نمبر ۵۵ پر مزید لکھا ہے کہ:۔ جب حضرت ابراہیم اپنے بیٹے (حضرت اسمٰعیل) کو ذبح کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے تو خدا نے انہیں، بیٹے کے حلق پر چھری چلانے سے روک دیا اور کہا کہ ہم اسے ایک عظیم قربانی کے لئے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل، حضرت ابراہیم کے بڑے بیٹے تھے اور باپ کی مملکتِ عظیم کا اُنہی کو وارث ہونا تھا۔ لیکن حکم یہ دیا گیا کہ انہیں حجاز کی وادیء غیر ذی زرع میں بسا دیا جائے (جو کہ ایک عظیم قربانی تھی) تاکہ یہ وہاں خانہء خدا کی تولیت (جس کے لئے مزید عظیم قربانیوں کی ضرورت تھی) کا فریضہ سرانجام دیں۔ اور مملکتِ شام کی سرداری حضرت اسحاق کو دے دی جائے۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت اسحاق کی اولاد (بنی اسرائیل) امورِ جہانبانی میں مصروف رہی۔ اس کے حصے میں شوکتِ سلیمانی اور سطوتِ داؤدی آئی۔ لیکن بنی اسمٰعیل اسی وادیء غیر ذی زرع میں نہایت سادہ زندگی بسر کرتے رہے۔ انہوں نے نہ کوئی حکومت قائم کی اور نہ ہی کسی تہذیب وتمدن کی بناڈالی۔ یہ ایک ہی کام کرتے رہے۔ یعنی عربی زبان کی تشکیل، تعمیر اور تہذیب۔ انہوں نے اس زبان کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ دنیا کی کوئی زبان اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکتی)۔ ڈاکٹر (Bucke) نے اپنی کتاب (Consciousness Cosmic) میں مشہور مستشرق (Max Muler) کی تحقیقات کے حوالے سے لکھا ہے کہ جس زمانے میں تمام انڈو یوروپین زبانوں میں بنیادی تصورات (Root Concepts) کی تعداد ایک سو اکیس تک پہنچتی تھی، عربوں کے ہاں صرف اونٹ کے تضمنات میں پانچ ہزار سات سو چوالیس (۵۷۴۴) الفاظ موجود تھے۔ اس سے اس زبان کی وسعتوں کا اندازہ لگ سکتا ہے۔ یہ بڑی سائنٹفک زبان ہے۔ اس میں ایک مادہ (Root) ہوتا ہے۔ جو عام طور پر تین حرفوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس مادے کے معانی میں ایک بنیادی خصوصیت ہوتی ہے جو ان تمام الفاظ میں جھلکتی چلی جاتی ہے جو اس مادے سے مختلف ابواب میں بنائے جاتے ہیں۔ ان مادوں کی تعداد (۲۵٬۰۰۰) کے قریب ہے۔

عربی آسان زبان ہے:۔ آپ اندازہ کر لیجئے کہ ان مادوں سے جو الفاظ بنیں گے ان کی تعداد کس قدر ہوگی۔ یہ تھی وہ زبان جس

میں قرآن نازل ہوا۔ چونکہ یہ زبان بڑی سائنٹفک واقع ہوئی ہے اس لئے اس کا سیکھنا آسان ہے۔ یہ جو اس زبان کو ہوا بنا کر رکھ دیا گیا ہے تو یہ بھی ایک سازش ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ عام مسلمان قرآن کو براہِ راست سمجھنے نہ لگ جائیں اور اس طرح یہ خاص طبقے کی اجارہ داری نہ رہے۔ خود قرآن کے متعلق یہ کہہ دیا گیا کہ:۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ (54:17)۔ ''یہ حقیقت ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے بڑا آسان بنایا ہے۔'' دوسری جگہ ہے:۔ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (41:3)۔ ''یہ ایک ایسی کتاب ہے، جس کی آیات کو نکھار کر الگ الگ کر کے واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ قرآن ان لوگوں کے لئے جو علم و بصیرت سے کام لیں ایک واضح ضابطہء حیات بن گیا۔'' یہ:۔ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (16:89) ہے۔ ''یعنی جن امور کا ذکر اس میں کیا گیا ہے، انہیں بڑی وضاحت سے کھول کر بیان کیا گیا ہے۔'' (طلوعِ اسلام۔ دسمبر ۱۹۷۷ء۔ صفحہ نمبر ۲۹۔۲۸)۔

عربی رسم الخط:۔ ظاہر ہے کہ کتاب لکھنے کے عمل سے مکمل ہوتی ہے۔ معزز قارئین کے لئے یہ امر خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ عربی رسم الخط نزول قرآن سے بہت پہلے وجود میں آ چکا تھا۔ طلوعِ اسلام اکتوبر ۱۹۷۰ء میں یہ معلومات پیش کی گئی ہیں۔ ''ہم نے فروری ۱۹۶۱ء کے طلوعِ اسلام میں محترم رحمت اللہ طارق (جو اس زمانہ میں دارالحدیث مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے) کا ایک تحقیقاتی مقالہ شائع کیا تھا جس میں انہوں نے ثابت کیا تھا کہ عربی رسم الخط (نقاط کے ساتھ) زمانہء نزولِ قرآن سے قریب چار سو سال قبل ایجاد ہو چکا تھا۔ اور عہدِ رسالت مآب ﷺ میں حروف پر نقاط اور الفاظ پر اعراب وغیرہ (ضوابطِ تحریر) رائج تھے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں اُس زمانہ کے دو مخطوطات کا بھی ذکر کیا تھا جن میں سے ایک ۵ھ کی تحریر ہے اور دوسری ۳۱ھ (عہدِ حضرت عثمانؓ) کی۔'' اس کے بعد طلوعِ اسلام نے حضرت معاویہؓ کے ایک مخطوطہ جو ۵۸ھ کا ہے، بحوالہ ''ماہنامہ فکر و نظر'' اسلام آباد (اپریل ۱۹۷۰ء) زیرِ عنوان ''عربی رسم الخط کا آغاز اور ارتقاء'' کا ذکر کیا ہے (صفحہ نمبر ۷۹)۔ اس سے ان غلط معلومات کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم پر نقاط و اعراب بعد میں (حجاج بن یوسف وغیرہ) نے لگوائے تھے۔ پرویز صاحب قرآن کریم کے بارے میں اس قسم کے نظریات کو قرآن کریم کے خلاف سازش قرار دیتے ہیں اور اس قسم کے پروپیگنڈہ کو غلط قرار دیتے ہیں کہ نقطوں اور اعراب کے سلسلے میں کتاب اللہ عراق کے دو غیر معروف عالموں کی صوابدید کی رہینِ منت ہے۔ یہ قرآن کریم کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی ایک کوشش کے سوا کچھ نہیں۔ (طلوعِ اسلام۔ فروری ۱۹۷۸ء۔ صفحہ نمبر ۱۷۔۱۶)۔

تعیّنِ مفہوم (تفسیرِ قرآن)

تفہیمِ قرآن:۔ طلوعِ اسلام۔ دسمبر ۱۹۷۷ء۔ صفحہ نمبر ۲۲:۔ ''قرآنی حقائق کو ہر دور کے انسانی علم کی سطح تک سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ تو

اُن حقائق کے متعلق ہے جنہیں قرآن کریم نے اپنے دعاوی کی تائید میں استعارات کے انداز میں بیان کیا ہے۔ جس کتاب کو زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہونا تھا اس کے حقائق کو تشبیہات و استعارات کے انداز ہی میں بیان کیا جا سکتا تھا۔ جہاں تک انسانی زندگی کے لئے راہنمائی کا تعلق ہے اسے قرآن نے متعین انداز میں بیان کر دیا ہے جس میں نہ ابہام ہے نہ اختلاف۔ وہ نہایت واضح، متعین اور صاف و سادہ ہے۔ جس سے نہایت آسانی سے مستفید ہوا جا سکتا ہے۔''

قرآن میں کوئی اختلافی یا باہم متضاد بات نہیں:۔ کسی کتاب میں اختلافات اور تضادات کا پایا جانا اُس کے غیر جامع اور نامکمل فلہٰذا من جانب اللہ نہ ہونے کی دلیل ہے۔ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف یا تضاد نہیں۔ اگر ہمیں اس میں کوئی تضاد نظر آتا ہے تو یہ ہماری نظر اور سمجھ کا قصور ہے۔

طلوعِ اسلام فروری ۱۹۸۳ء صفحہ نمبر ۵۶:۔ ''قرآن میں ہے:۔ **اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا** (4:82)۔ ''کیا ان لوگوں نے قرآن میں تدبر نہیں کیا۔ اگر یہ خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں کئی اختلاف پاتے۔'' یعنی قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ اس میں کہیں اختلاف نہیں۔ اور یہ چیز اس کے منجانب اللہ ہونے کی ایک دلیل ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ قرآن کے الفاظ میں تو کوئی اختلاف نہیں لیکن اس کی تعبیرات (Interpretations) مختلف ہو سکتی ہیں۔ آپ سوچئے کہ لفظی اختلافات کا نہ ہونا بھی کوئی ایسی خصوصیت ہے جس کا اس تحدی سے ذکر کیا جاتا؟۔ ساری بات تو تعبیرات کی ہے۔ اگر کسی کتاب کی عبارت کی کیفیت یہ ہو کہ وہ زید کو کوئی مفہوم دے اور بکر کو اس سے بالکل متضاد مفہوم، تو کیا اہلِ علم کے نزدیک اس کتاب کی کوئی وقعت ہو سکتی ہے؟۔ قرآن سمجھنے کے لئے جو شرائط قرآن نے مقرر کی ہیں، اگر ان کے مطابق قرآن میں تدبر کیا جائے تو اس کے کسی حکم کی دو تعبیریں ہو ہی نہیں سکتیں۔ اس مقام پر ایک نکتے کی وضاحت ضروری ہے۔ قرآن کریم میں کچھ تو احکام و قوانین دیئے گئے ہیں اور کچھ حقائق۔۔ احکام و قوانین کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن کے معانی متعین اور ٹھوس (Concrete) ہیں۔ لیکن حقائق۔۔ بالخصوص وہ حقائق جن کا تعلق مابعد الطبیعیات سے ہے۔۔ انہیں تشبیہات کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اہلِ علم سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ تشبیہات و استعارات سے ہر شخص اپنے اپنے فہم اور علمی سطح کے مطابق مشبہ بہ کے متعلق تصور قائم کر سکتا ہے۔ ان تصورات میں اختلاف ہوگا۔ لیکن جہاں تک قرآنی ہدایات کا تعلق ہے ان کی دو تعبیریں نہیں ہو سکتیں۔ یہ احکام و قوانین اسلامی نظام کی طرف سے نافذ ہوں گے، اس لئے ان کی عملی جزئیات میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہوگا۔ یوں اُمت میں وحدت فی العمل پیدا ہو جائے گی، اور قرآنی حقائق سمجھنے کے لئے فکری آزادی بھی برقرار رہے گی۔''

تعبیراتِ قرآن میں اختلاف:۔ طلوعِ اسلام اگست ۱۹۷۳ء میں پرویز صاحب کا ایک انٹرویو شائع ہوا تھا جو کہ نمائندہ ہفت

روزہ ''چٹان'' نے لیا تھا۔ جوابات تحریری تھے۔ صفحہ نمبر ۳۵ پر قرآن کریم کی تعبیرات کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر ملاحظہ ہو:۔ ''عام طور پر کہا جاتا ہے کہ قرآن کی بھی مختلف تعبیریں ہوسکتی ہیں' اس لئے غلط اور صحیح کے پرکھنے میں قرآنی معیار کے نتائج میں بھی فرق ہوسکتا ہے۔ اس قسم کے اعتراضات درحقیقت قرآن کو سند و حجت تسلیم نہ کرنے کے لئے گریز کی راہیں ہیں۔ قرآن کریم میں جو مابعد الطبیعیاتی حقائق آئے ہیں' ان کے سمجھنے میں تو انسانی فکر میں اختلاف ہوسکتا ہے' لیکن جن امور کا تعلق انسانی راہنمائی سے ہے (اور یہی قرآن کا بنیادی مقصد ہے) ان میں وہ بالکل واضح اور متعین تعلیم پیش کرتا ہے' جس کی مختلف تعبیریں ہو ہی نہیں سکتیں۔ بشرطیکہ قرآن کو خود اس کے تجویز فرمودہ طریق سے سمجھا جائے۔''

اس سلسلے میں طلوعِ اسلام مارچ ۱۹۷۸ء میں (صفحہ نمبر ۶۵) پرویز صاحب مزید وضاحت کرتے ہیں:۔ ''جب یہ کہا جاتا ہے کہ قوانین کی بنیاد قرآن مجید ہونی چاہیئے تو اس کے خلاف اعتراض یہ ابھارا جاتا ہے کہ قرآن کی کسی آیت کے قرآنی آیت ہونے میں تو کسی کو اختلاف نہیں ہوگا' لیکن اس کی تعبیر میں تو اختلاف ہوگا۔ چونکہ اس سوال کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے (بلکہ یوں کہئے کہ اسے یہ کہہ کر اچھالا جاتا ہے) کہ قرآن کریم قانون کی بنیاد بن ہی نہیں سکتا۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق ذرا وضاحت سے بات کی جائے:۔ (۱)۔ قرآن کریم نے اپنے منجانب اللہ ہونے کے لئے ثبوت یہ پیش کیا ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں سورہء نساء میں ہے:۔ (مفہوم)۔ ''کیا یہ لوگ قرآن میں غور و تدبر نہیں کرتے؟۔ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ اس میں بہت اختلافات پاتے۔'' (۴/۸۲)۔ اس سے ظاہر ہے کہ دو مختلف باتوں کو قرآن کریم کی طرف سے سند یا تائید مل ہی نہیں سکتی۔ (۲)۔ اس نے کہا ہے کہ وہ آیا ہی اختلافات مٹانے کے لئے ہے:۔ **وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ** (16:64)۔ ''اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب اس لئے نازل کی ہے کہ تو ان کے لئے وہ باتیں واضح طور پر بیان کردے جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔ (یوں) یہ قرآن ان لوگوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے جو اس کی صداقتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔'' (۳)۔ وہ تاکید کرتا ہے کہ جس بات میں تمہیں اختلاف ہو اس کے لئے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرو' تمہیں وہاں سے حتمی فیصلہ مل جائے گا:۔ **وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ** (42:10)۔ ''اور تم جس بات میں بھی اختلاف کرو' تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف سے لو۔'' (۴)۔ اس کی رو سے' اختلاف خدا کا عذاب ہے۔ اس نے جماعت مومنین سے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ:۔ **وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ** (4:104)۔ ''اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے (خدا کی طرف سے) واضح ہدایت آجانے کے بعد باہمی تفرقہ اور اختلاف کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے سخت عذاب ہے۔'' سوال یہ ہے کہ اگر قرآن کریم کے اس قدر حتمی اور یقینی دعاوی کے باوجود اس کی آیات کا ایسا مفہوم سمجھ میں ہی نہیں آسکتا

جس میں اختلاف نہ ہو تو یہ کتاب نوعِ انسان کے لئے ابدی قوانین و ہدایت بن کیسے سکتی ہے؟۔ پھر تو اس کے تمام دعاوی (معاذ اللہ) باطل قرار پا جائیں گے۔ قرآن ایسی کتاب نہیں ہے۔ قرآن کریم نے اپنے سمجھنے کے لئے خود ہی اصول بیان کر دیئے ہیں۔ اگر قرآن کریم کو خود قرآن کریم سے اس کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اس کے احکام و قوانین کے سمجھنے میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہو سکتا۔''

اختلافاتِ تعبیر کا حل:۔ طلوعِ اسلام دسمبر ۱۹۸۳ء۔ ص۔۱۲:۔ ''قرآن مجید کے احکام میں (Interpretation) یعنی تعبیر کا بھی فرق تو ہوگا۔ اس کا حل کیا ہوگا؟۔ یہ خیال اگر ابلہ فریبی نہیں تو بہت بڑی مغالطہ آفرینی پر مبنی ہے۔ قرآن کریم دو قسم کی آیات پر مشتمل ہے۔ ایک وہ جن کا تعلق حقائق و رموزِ فطرت سے ہے۔ قرآن کریم نے ان مضمر حقائق کو تشبیہات اور استعارات کے رنگ میں بیان کیا ہے اس لئے ان آیات کو متشابہات کہہ کر پکارا ہے۔ علمی تحقیق و تجسس سے ان حقائق کا مفہوم بے نقاب ہوتا جائے گا۔ ارشادِ خداوندی ہے:۔ **سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ** (41:53)۔ ہم اربابِ دانش و بینش کو عالمِ انفس و آفاق میں اپنی نشانیاں دکھاتے جائیں گے تا آنکہ ان پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے کہ قرآن نے جو کچھ کہا ہے' صداقت پر مبنی ہے۔ یعنی جوں جوں علمِ انسانی بڑھتا جائے گا ان مستور حقائق پر پڑے ہوئے پردے اٹھتے جائیں گے اور ہر پردہ اٹھنے کے بعد جو حقیقت سامنے آئے گی وہ قرآن کے دعویٰ کی صداقت کی شہادت دے گی۔ ظاہر ہے کہ ان آیات کی تعبیر (Interpretation) مختلف ادوار میں بھی مختلف ہوگی اور ایک ہی دور میں مختلف ارباب' فکر و تجسس کے ہاں بھی مختلف۔ یہ اختلاف فکری اور نظری ہوگا' انسان کی عملی زندگی سے متعلق نہیں ہوگا۔ انسان کی عملی زندگی کے متعلق آیات کو اللہ تعالیٰ نے محکمات کہہ کر پکارا ہے۔ یعنی وہ احکام جن کا مفہوم متعین طور پر واضح کر دیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے اپنے سمجھنے کا جو طریق بتایا ہے' اگر اسے اس طریق کے مطابق سمجھا جائے تو ان احکام کی تعبیر میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم نے اپنے من جانب اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں۔: **اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا** (4:82)۔ ''کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے۔ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بکثرت اختلافات پاتے۔'' آپ خود صاحبِ فکر ہیں اس لئے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن نے جو کہا ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں' تو اس سے معنوی (یعنی تعبیر کا) اختلاف مراد ہے۔ لفظی اختلاف تو یونہی نظر آ جاتا ہے' اس کے لئے غور و تدبر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ غور و فکر کی ضرورت' تعبیر یا مفہوم کے سمجھنے کے لئے ہوتی ہے۔ یہ تمام اختلافات جنہیں قرآن کی طرف منسوب کیا جاتا ہے (اور ایسا کرنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ اس سے قرآن کا منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ ہی معاذ اللہ' باطل قرار پا جاتا ہے) ہماری غلط نگہی کا نتیجہ ہیں۔ جراءتِ عرض معاف ہو تو خود اپنی مثال پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔ میں گزشتہ (کم از کم) چالیس سال سے قرآن کریم کے متعلق لکھتا چلا آ رہا ہوں۔ اور آپ بھی میری فکری کاوشوں کا مطالعہ کرتے

چلے آرہے ہیں۔ کیا آپ کو آیاتِ محکمات کے مفہوم میں کہیں کوئی اختلاف نظر آیا ہے؟۔ یہ اختلاف اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب قرآن کے ساتھ خارج از قرآن عناصر کو ملا دیا جائے:۔

میرے ساقی نے عطا کی ہے مئے بے دُرد وصاف رنگ جو کچھ دیکھتے ہو میرے پیمانے کا ہے۔''

فقہ اور قرآن:۔ ماہنامہ طوعِ اسلام مارچ ۱۹۷۸ء ص۔ ۶۶۔ ''باقی رہے اہلِ فقہ (حنفی حضرات) تو ان کے ایک ممتاز اور مسلّم امام' ابوالحسن عبیداللہ الکرخی کا یہ قول ان کے عقیدہ کو واضح کرتا ہے کہ:۔ ''ہر وہ آیت جو اس طریقہ کے مخالف ہو جس پر ہمارے اصحاب ہیں' وہ یا تو ماوّل ہے یا منسوخ ہے۔ اور اسی طرح جو حدیث اس قسم کی ہو وہ ماوّل یا منسوخ ہے۔'' (علامہ الخضری۔ صفحہ نمبر ۴۲۱)۔ ان تصریحات کی روشنی میں یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ جس چیز کو قرآن کی تعبیر میں اختلاف کہا جاتا ہے وہ درحقیقت قرآن کی تعبیر کا اختلاف نہیں ہوتا بلکہ جن چیزوں کو مختلف فرقوں نے قرآن پر قاضی اور حاکم بلکہ اس کا ناسخ قرار دے رکھا ہے' وہ ان چیزوں کا اختلاف ہوتا ہے۔ اور یہ اختلاف ہوتا ہے فرقوں کی باہمی ضد کی وجہ سے۔: وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ..... (45:17) ''اور ہم نے انہیں اس معاملہ (دین) کے متعلق واضح باتیں دی تھیں۔ لیکن انہوں نے العلم (وحی) آجانے کے بعد آپس میں اختلاف کیا۔ اور اس اختلاف کی وجہ محض ان کی باہمی ضد تھی۔'' اگر فرقہ بندی کی باہمی ضد کو الگ رکھ کر' اُمت خالص قرآن کی طرف آجائے تو اس کے احکام وقوانین میں کسی قسم کا اختلاف نہیں رہ سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم نے زندگی کے لئے جو ضابطہ عطا فرمایا ہے اگر وہ بھی صاف' واضح اور متعین نہیں تو پھر اس کے اس دعویٰ کا (معاذ اللہ) کچھ مطلب ہی نہیں کہ وہ نوعِ انسانی کے لئے صاف' واضح' مکمل' واحد اور آخری ضابطہء حیات ہے۔''

اتھارٹی کے قیام کی تجویز:۔ تعبیرات کے اختلافات کو حل کرنے کے لئے پرویز صاحب نے ایک تجویز پیش کی تھی کہ۔ ''اسلامی نظام کی بنیادی شرط یہ ہوتی ہے کہ ایک ایسی اتھارٹی مقرر کر لی جائے جس کی قرآنی تعبیر ہر ایک کے لئے واجب التسلیم ہو۔ جب آپ اپنے آئین میں اس قسم کی شق رکھتے ہیں کہ آئین اور قانون کے معاملہ میں فلاں اتھارٹی کی تعبیر حرفِ آخر سمجھی جائے گی تو اس قسم کی شق قرآنی تعبیرات کو بھی محیط ہوگی۔ بالخصوص جب اسلامی نظام کی بنیاد ہی قرآن کریم ہوگا۔ اسلامی نظام میں اقتدارِ اعلیٰ (Sovereignty) حاصل ہی کتاب اللہ کو ہے کہ یہی کافر و مومن میں حدِ فاصل ہے۔ خدا کا واضح ارشاد ہے کہ:۔ ''جو کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے' وہی تو کافر ہیں (۵/۴۴)۔'' (طلوعِ اسلام مئی ۱۹۷۰ء۔ ص۔ ۳۵)۔

تضادات کی ایک اور وجہ:۔ قرآن میں تضادات نظر آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اب تک جو تفاسیر' روایات و تواریخ کی رو سے

لکھی گئیں‘ ان میں مفسرین نے خود اپنی عقل وبصیرت سے بہت کم کام لیا۔ مفسرین کرام کو جو کچھ کتبِ روایات میں نظر آیا اسے ہو بہو نقل کر کے تفسیر لکھنے کا ثواب کما لیا۔ اس سے مفہوم قرآنی میں تضادات واقع ہو جاتے ہیں۔ پرویز صاحب ’’مفہوم القرآن‘‘ کے تعارف میں رقمطراز ہیں۔ ’’کہا یہ جاتا ہے کہ قرآن کریم نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوا‘ اور حضور ﷺ نے اسے صحابہؓ کی جماعت کو سمجھایا۔ ظاہر ہے کہ اس آسمان کے نیچے اس ذات اقدس واعظم ﷺ سے بہتر نہ تو کوئی قرآن کو سمجھانے والا ہو سکتا ہے اور نہ ہی قدوسیوں کی اس جماعت سے بہتر کوئی سمجھنے والا۔ اس لئے ہمیں قرآن فہمی کے سلسلے میں کسی اور طرف رُخ کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ (یعنی ہمیں حدیثِ رسول ﷺ کو قرآن کی تفسیر سمجھنا چاہیئے یا احادیث میں موجود تفسیر قرآن ہی کو بسلسلہ تفسیر قرآن حرفِ آخر تسلیم کرنا چاہیئے)۔ یہ بالکل بجا اور درست ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ جو کچھ حضور ﷺ نے سمجھایا تھا وہ اپنی اصلی وحقیقی شکل میں ہم تک نہیں پہنچا۔ اس کا واضح اور بین ثبوت یہ ہے کہ قرآن کریم کی جس تفسیر کو نبی ءاکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے‘ وہ زبانِ حال سے کہہ رہی ہے کہ وہ حضور ﷺ کی حقیقی تعلیم نہیں ہو سکتی۔ کتبِ روایات وتفاسیرِ سابقہ میں صحیح روایات کے ساتھ ساتھ ایسی روایات بھی گڈمڈ ہیں جن کا مضمون بتاتا ہے کہ وہ نبی ءاکرم ﷺ کی بیان فرمودہ تفسیر کا صحیح ریکارڈ نہیں ہو سکتیں۔ اگر صحیح بخاری یا صحاح ستہ میں سے کسی کتاب میں منقول تفسیری روایات کا مطالعہ کیا جائے تو بات واضح ہو جائے گی کہ ان روایات کی رو سے‘ جنہیں نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے‘ اور جن کا مضمون غماز ہے کہ وہ نبی ءاکرم ﷺ کے ارشاداتِ گرامی نہیں ہو سکتے‘ قرآن کریم سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ کیونکہ اوّل اوّل تو خود ان کا صحیح ریکارڈ ہم تک نہیں پہنچا‘ دوسرے ان میں سے اکثر قرآن کی تعلیمات سے متصادم ہیں‘ اور ان روایات میں آپس میں بھی تضاد پایا جاتا ہے۔ جس سے واضح ہے کہ یہ وضعی ہیں۔‘‘ پھر ان کی رو سے جو تفاسیر لکھی گئی ہیں ان تفاسیر میں متضاد تعلیمات اور باتیں جمع ہو گئی ہیں۔ علاوہ ازیں‘ ایک تفسیر دوسری تفسیر سے متصادم ہے۔ ان تفاسیر کا باہمی اختلاف وتضاد اور بھی زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اور اب تو اس روش سے بھی ہٹ کر جو تفاسیر لکھی جا رہی ہیں وہ کسی قاعدے‘ کلیّے کے بغیر‘ اپنی اپنی فقہ‘ اپنے اپنے عقائد‘ اپنی اپنی پسند‘ خیالات‘ رُجحانات وتعصّبات کی رو سے لکھی جا رہی ہیں (موءلف)۔

کس کی تفسیر صحیح ہے:۔ یہیں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر قرآن کو کس طرح سمجھا جائے؟۔ قرآن فہمی کا کیا اصول اور طریقہ ہونا چاہیئے؟۔ کس مفسّر کی تفسیر کو صحیح اور کس کی تفسیر کو غیر صحیح مانا جائے؟ اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ تفسیر کے لئے جو طریق خود قرآن کریم بتائے اور اس طرح جو مفہوم متعین ہو‘ اسی کو صحیح تسلیم کیا جائے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ یہ کتاب (قرآن) تمام نوعِ انسانی کی راہنمائی کے لئے کافی ہے (۲۹/۵۱)۔ اس کی موجودگی میں کسی دوسری راہنمائی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ پھر فرمایا کہ قرآن جگمگاتا ’’نور‘‘ ہے (۴/۱۷۵)۔ ظاہر ہے کہ نور روشن ہوتا ہے۔ اور اس کی موجودگی میں دوسری چیزیں بھی صاف نظر آتی ہیں۔ یہی کیفیت قرآن کریم کی ہے کہ وہ واضح‘ کھلا ہوا اور روشن ہے۔ اس کی روشنی میں دیگر حقائق بھی صاف نظر آتے ہیں۔ قرآن اپنے

مطالب خود ہی بیان کر دیتا ہے۔ اس کے مطالب کی تلاش کے لئے کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں۔

اپنی تفسیر آپ:۔ یہ اپنی تفسیر خود ہی کر دیتا ہے۔ اسی لئے جگہ جگہ قرآن کو ''مفصّل کتاب''، یعنی کھلی ہوئی، تفسیر شدہ، اپنی تشریح و تفسیر آپ کرنے والی کتاب' کہا گیا ہے۔ ''اور وہی اللہ ہے جس نے تمہاری طرف کتاب اتاری (مفصّل) تفصیل شدہ'' (۶/۱۱۵)۔ ''جس میں ہر شے کی تفصیل ہے'' (۱۲/۱۱۱)۔ ''اور یہ ہر شے کی تشریح ہے'' (۱۶/۸۹)۔ قرآن کریم کی تفسیر و تشریح کی ذمے داری بھی خود خداوند کریم نے لے لی۔ ''پھر اس کا جمع کرنا اور اس کی وضاحت و تشریح بھی ہمارے ذمے ہے'' (۷۵/۱۹)۔ ''ہم ان کے لئے ایک ایسی کتاب لائے جس کی تفصیل و تشریح ہم نے علم کے ساتھ کی ہے (۷/۵۲۔۱۱/۰۱)۔ قرآن کریم شاہد ہے کہ اس آخری وحی (قرآن کریم) کے جمع کرنے' اس کی تفصیل' تشریح و تفسیر اور اس کی حفاظت کی ذمے داری خود خدا نے لے لی۔

قرآن فہمی کا طریق:۔ یہ جو آپ اس وقت مختلف فرقوں میں اختلافات دیکھتے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ قرآن کریم ان میں سے ہر ایک کو اس کے مسلک کی تائید بہم پہنچا رہا ہے۔ اگر ایسا ہو تو قرآن کے منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ ہی (معاذ اللہ) باطل قرار پا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف فرقے' قرآن کریم کو خارج از قرآن چیزوں کے تابع رکھتے ہیں۔ یعنی یہ فرقے اپنے اپنے عقائد' مسالک اور احکام کو حتمی' یقینی اور غیر متبدل قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ قرآن کی طرف آتے ہیں۔ اگر انہیں ان احکام و قوانین کی تائید میں قرآن کی کوئی آیت مل جاتی ہے تو اسے بھی تائیداً ساتھ رکھ لیتے ہیں۔ اگر قرآن کی آیت اس کے خلاف جاتی ہے تو اس آیت کی تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ وہ اس حکم کے مطابق دکھائی دے۔ اور اگر ایسا ناممکن ہو تو پھر کہہ دیتے ہیں کہ قرآن کا حکم منسوخ ہے۔ آپ متبعینِ حدیث کا یہ عقیدہ (نظریہء حدیث میں) دیکھیں گے کہ حدیث قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے۔

تعیّنِ مفہوم کا فارمولا:۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب کی تشریح و تفسیر اور وضاحت کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ کسی بات کی وضاحت مقصود ہو تو اسے بار بار سامنے لانے سے مقصد حاصل ہو جائے گا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''اور اسی طرح ہم آیتوں کو پھیر پھیر کر سامنے لاتے ہیں تاکہ وہ کہہ دیں کہ تُو نے پڑھ کر سُنا دیا۔ اور ہم اہلِ علم کے لئے وضاحت کر دیں'' (۶/۱۰۶۔۱۷/۴۱۔۱۷/۸۹)۔ اس قرآنی طریق کو پرویز صاحب **''تصریفِ آیات''** (یعنی وضاحت اور تشریح و تفسیر کے لئے آیات کو پھیر پھیر کر سامنے لانا) کہتے ہیں۔ انہی آیات پر غور کرنے کے بعد پرویز صاحب اس نتیجے پر پہنچے کہ قرآن کریم کی تفسیر خود قرآن کریم ہی سے کرنا قرآن کریم کا اصل منشاء ہے اور یہ منشاء ''تصریفِ آیات'' کے فارمولے کو استعمال کرنے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

قرآن کا انداز:۔ ''قرآن کریم کا صرف مفہوم منجانب اللہ نہیں' اس کے الفاظ بھی منجانب اللہ ہیں۔اسی بناء پر اسے کلام اللہ کہا گیا ہے(۹/۶)۔قرآن کریم کا انداز عام کتابوں کا سا نہیں' عام کتابوں کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کتاب' مختلف ابواب میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔ہر باب کا خاص موضوع ہوتا ہے اور اس موضوع سے متعلق تمام مضامین اس باب میں مربوط طور پر درج کر دیئے جاتے ہیں۔قرآن کریم کا یہ انداز نہیں۔اس کے متعلق یوں سمجھئے جیسے یہ تیئس سال کے عرصہ میں ارشاد فرمودہ مختلف خطبات کا مجموعہ ہو۔اس میں ایک بات ایک مقام پر آتی ہے تو اس کی مزید وضاحت دوسرے مقام پر۔اضافہ کسی اور جگہ' استثناء کسی اور سورۃ میں۔نیز' مختلف حقائق کے متنوع گوشوں کو' مختلف موضوعات کے ضمن میں' لوٹا لوٹا کر سامنے لایا گیا ہے۔اس اندازِ بیان کو اس نے ''تصریفِ آیات'' سے تعبیر کیا ہے۔یعنی آیات کو پھیر پھیر کر سامنے لانا(۶/۱۰۶۔۱۷/۴۱)۔اسی طریق سے اس نے اپنی اصطلاحات کا مفہوم بھی متعین اور واضح کیا ہے۔

(۱)۔تصریفِ آیات:۔ قرآن کریم انسانی تصانیف کی طرح مختلف ابواب میں تقسیم نہیں ہے۔بلکہ مختلف موضوعات کے بارے میں آیات پورے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر موتیوں کی طرح خوبصورتی سے بکھری پڑی ہیں۔اگر کسی موضوع پر تحقیق مقصود ہو یا کسی لفظ' آیت یا اصطلاحِ قرآنی کا مفہوم معلوم و متعین کرنا ہو تو اس مقصد کے لئے ''تصریفِ آیات'' (۶/۱۰۶۔۱۷/۴۱) نہایت ضروری ہوگی۔کیونکہ وضاحت (تفسیر و تشریح) یعنی تعین مفہوم کے معاملے میں یہ طریق کسی انسان کا وضع کردہ نہیں بلکہ یہ خود قرآن ہی کا بتایا ہوا فارمولا ہے۔اس فارمولے کے تحت' اگر مطلوبہ موضوع سے متعلقہ تمام آیاتِ قرآنی' یا جن جن قرآنی آیات میں کوئی لفظ یا اصطلاح استعمال ہوئی ہو' سب کو ایک جگہ جمع کر کے' بیک وقت سامنے رکھ کر غور کیا جائے اور قرآن کریم میں استعمال شدہ عربی زبان کے کسی لفظ کے متعدد معانی میں سے وہ معانی و مفہوم قبول کئے جائیں جو قرآن کریم کے کسی دوسرے مقام (پر استعمال شدہ کسی لفظ' اصطلاح یا آیت کے معانی و مفہوم) سے متصادم نہ ہوں تو مطلوبہ لفظ' اصطلاح یا آیت کے حقیقی مفہوم کا تعین خود قرآن کریم کر دے گا۔اور وہ مفہوم اُبھر کر سامنے آجائے گا۔(اسی طرح انسانی زندگی میں سامنے آنے والے مختلف موضوعات یا مسائل پر غور و خوض کرنے اور اُن کا قرآنی حل تلاش کرنے کے لئے بھی ''تصریفِ آیات'' کے قرآنی فارمولے سے کام لینا ہوگا۔یوں قرآن کریم ہر دور میں انسان کی راہنمائی کرتا چلا جائے گا)۔

احتیاط:۔ اس فارمولے کے استعمال میں اس احتیاط کو خصوصاً ملحوظِ خاطر رکھنا ہوگا کہ آیات' الفاظ یا اصطلاحات کے متعین شدہ مفاہیم میں کوئی باہمی اختلاف' تضاد یا کجی نہ پائی جائے۔اور نہ ہی وہ مفاہیم منشائے قرآنی یا قرآن کریم کی مجموعی تعلیم سے متصادم ہوں۔اگر ایسا کوئی تضاد پایا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مطلوبہ مفہوم صحیح طور پر متعین نہیں ہو پایا۔کیونکہ ''قرآن کریم میں تو

اختلاف، کجی اور تضاد کہیں ہے نہیں'' (۴/۸۲۔۳۹/۲۸)۔اس طریق پر عمل کرنے سے قرآن کریم کا صحیح مفہوم متعین کیا جاسکتا ہے۔

(۲)۔مسئلہِ زبان:۔قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے غیر عرب لوگوں کے سامنے زبان کا مسئلہ ہے۔ضروری ہے کہ عربی زبان سیکھی جائے کیونکہ کسی بھی کتاب کو صحیح معنوں میں سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے اس کتاب کی زبان سے واقفیت ضروری ہے۔اور عربی زبان ایک آسان زبان ہے۔پرویز صاحب ''مفہوم القرآن'' کے تعارف میں لکھتے ہیں۔''عربی زبان کی مستند کتبِ لغت و تفاسیر کی مدد سے، قرآن کریم کے تمام الفاظ کے معانی، پوری وسعت اور جامعیت کے ساتھ متعین کئے جائیں اور اس کے لئے جہاں تک پیچھے جاسکتے ہوں، جائیں۔تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ نزولِ قرآن یا اس سے قریب تر زمانہ میں ان الفاظ سے، بالعموم کیا مفہوم لیا جاتا تھا۔

(۳):۔''پھر یہ دیکھا جائے کہ قرآن کریم نے ان الفاظ کو کن کن معانی میں استعمال کیا ہے۔اس کا انداز یہ ہے کہ وہ ایک بات کو مختلف مقامات پر بیان کرتا ہے، اور ان تمام مقامات کو بیک وقت سامنے لانے سے ان الفاظ کا مفہوم نمایاں طور پر سامنے آجاتا ہے۔

(۴)۔اصطلاحات:۔اصطلاحاتِ قرآنی کا مفہوم بھی قرآن کریم ہی سے متعین کیا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ ان جامع اصطلاحات سے اپنی تعلیم کے کس قسم کے تصورات (Concepts) پیش کرتا ہے۔پرویز صاحب اصطلاحات کے بارے میں ''مفہوم القرآن'' کے تعارف میں رقمطراز ہیں۔''کوئی فن یا موضوع ہو، اس میں اصطلاحات کی حیثیت بنیادی اور کلیدی ہوتی ہے۔اور جب تک ان اصطلاحات کا صحیح تصور سامنے نہ آئے، متعلقہ موضوع یا فن سمجھ میں نہیں آسکتا۔اصطلاحات کے الفاظ تو اسی زبان کے ہوتے ہیں جس میں باقی کتاب لکھی گئی ہو، لیکن ان کا مفہوم بڑا جامع اور مخصوص ہوتا ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو الفاظ، اصطلاحات کے لئے استعمال کئے جائیں اُن کے معانی کا اصطلاحات کے معانی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، ایسا نہیں ہے۔اصطلاحات کے معانی کی بنیاد اُن الفاظ کے معانی ہی پر رکھی جاتی ہے، البتہ ان کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوجاتی ہے۔قرآن کریم نے بھی اپنی اصطلاحات اسی طرح وضع کی ہیں اور ان کے معانی کی خود ہی وضاحت کردی ہے۔اِن معانی کے سمجھنے کا طریق یہ ہے کہ پہلے ان الفاظ کے بنیادی معانی کو سمجھا جائے جن سے وہ اصطلاحات وضع کی گئی ہیں۔اس کے بعد، قرآن کریم کے ان تمام مقامات کو سامنے لایا جائے جن میں وہ اصطلاحات آئی ہیں۔ایسا کرنے سے ان کے معانی واضح طور پر سامنے آجائیں گے۔میں نے ''لغات القرآن'' میں ان اصطلاحات کے معانی اسی طرح متعین اور بیان کئے ہیں۔اور وہی معانی اب ''مفہوم القرآن'' میں پیش کئے گئے ہیں۔مثلاً:۔

صلوٰۃ:۔قرآن کریم کی ایک خاص اصطلاح ''اقامتِ صلوٰۃ'' ہے، جس کے عام معنی نماز قائم کرنا یا نماز پڑھنا کئے جاتے ہیں۔لفظ ''صلوٰۃ'' کا مادہ (ص۔ل۔و) ہے، جس کے بنیادی معنی کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں۔اس لئے ''صلوٰۃ'' میں قوانینِ

خداوندی کے اتباع کا مفہوم شامل ہوگا۔ بنا بریں' اقامتِ صلوٰۃ سے مفہوم ہوگا ایسے نظام یا معاشرہ کا قیام جس میں قوانینِ خداوندی کا اتباع کیا جائے۔ یہ اس اصطلاح کا وسیع اور جامع مفہوم ہے۔ نماز کے اجتماعات میں' قوانینِ خداوندی کے اتباع کا تصور محسوس اور سمٹی ہوئی شکل میں سامنے آجاتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے اس اصطلاح کو ان اجتماعات کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔ قرآنی آیات پر تھوڑا سا تدبّر کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ کس مقام پر 'اقامتِ صلوٰۃ' سے مراد اجتماعاتِ نماز ہیں اور کس مقام پر ''قرآنی نظام یا معاشرہ کا قیام''۔ ''مفہوم القرآن'' میں یہ معانی اپنے اپنے مقام پر واضح کر دیئے گئے ہیں۔

زکوٰۃ:۔ اسی طرح' مثلاً زکوٰۃ کی اصطلاح ہے۔ اس لفظ کا مادہ (ز۔ک۔و) ہے۔ جس کے بنیادی معنی' بڑھنا' پھولنا' پھلنا' نشوونما پانا ہیں۔ قرآن کریم نے اسلامی نظام یا مملکت کا فریضہ ایتائے زکوٰۃ بتایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نظام قائم اس لئے کیا جاتا ہے کہ نوعِ انسان کو سامانِ نشوونما فراہم کیا جائے۔ زکوٰۃ کا مروّجہ مفہوم یہ ہے کہ اپنی دولت میں سے ایک خاص شرح کے مطابق روپیہ نکال کر خیرات کے کاموں میں صرف کیا جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس میں بھی زکوٰۃ کے قرآنی مفہوم کی ایک جھلک پائی جاتی ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اسے' ان خاص معانی میں استعمال نہیں کیا۔ اس لئے اس اصطلاح کو انہی معانی کے لئے مخصوص کر دینا قرآنی مفہوم کی وسعت اور ہمہ گیری کو مقیّد کر دینا ہوگا۔

دیگر اصطلاحات:۔ یہی صورت قرآن کریم کی دیگر اصطلاحات کی ہے۔۔۔ مثلاً کتاب' حکمت' ملائکہ' دین' دُنیا' آخرت' قیامت' ساعت' جنت' جہنم' ایمان' کفر' نفاق' فسق' اثم' عدوان' تقویٰ' عبادت' وغیرہ۔ مروّجہ تراجم میں ان اصطلاحات کے صرف وہی معنی دیئے گئے ہیں جو ہمارے ہاں متداول ہیں۔ لیکن ''مفہوم القرآن'' میں ان کے وہ وسیع اور ہمہ گیر معانی دیئے گئے ہیں جو مذکورہ بالا طریق سے متعین کئے گئے ہیں۔ ان مقامات پر غور کرنے سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجائے گی کہ ان اصطلاحات کے مروّجہ مقیّد مفہوم سے قرآنی تعلیم کس طرح سمٹ جاتی ہے' اور ان کے قرآنی مفہوم سے اس کی وسعتیں کس طرح حدود فراموش ہو جاتی ہیں۔ ایک ایسی کتاب کو' جو زمان و مکان کے حدود سے ماوراء' اور تمام نوعِ انسان کیلئے' ہمیشہ کے لئے' ضابطہء ہدایت ہو' ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے۔''

متشابہات:۔ مفہوم القرآن کے تعارف میں پرویز صاحب متشابہات کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں۔ ''اسی سلسلہ میں ایک اور اہم نکتہ کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے۔ قرآن کریم میں جو کچھ خارجی کائنات یا انسانی دنیا (انفس و آفاق) کے متعلق کہا گیا ہے یا جن امور کو تشبیہات اور تمثیلات کے انداز میں بیان کیا گیا ہے' ان کا مفہوم انسانی علم کی وسعت کے ساتھ زیادہ نکھر کر سامنے آتا جائے گا۔ ان مقامات کو' ہر زمانے کے انسان' اپنے زمانے کی علمی سطح کے مطابق سمجھ سکتے ہیں۔ لہٰذا' ان مقامات میں' قرآنی فہم ہر دور میں بدلتا (اور انسانی علم کی بلندی کے ساتھ بلند ہوتا) جائے گا۔ جو شخص ان مقامات کو آج سمجھنا چاہتا ہے اُس کے سامنے انسانی علم کی موجودہ

سطح کا ہونا ضروری ہے۔ پھر بھی' اسے یہ کہنے کا حق نہیں پہنچتا کہ جو کچھ اس نے سمجھا ہے وہ اس باب میں حرفِ آخر ہے۔ حرف آخر کا حق تو' آخری انسان کے لئے ہی چھوڑنا ہوگا۔ اور وہ بھی ان میں سے بعض امور کی کنہ وحقیقت کے متعلق اتنا ہی سمجھ سکے گا جتنا شعور کی موجودہ سطح پر' انسان کے لئے سمجھنا ممکن ہے۔ اس کی تفصیل ''لغات القرآن'' میں ملے گی۔''

☆.....☆.....☆

مروّجہ مفہوم سے اختلاف:۔ ''یہی وہ مقامات ہیں جہاں اعتراض کیا جاتا ہے کہ میں نے قرآن کریم کو بالکل نئے معنی پہنا دیئے ہیں۔ بعض حضرات تو جوشِ مخالفت میں یہاں تک آگے بڑھ جاتے ہیں کہ اسے ''دین میں تحریف'' قرار دے دیتے ہیں۔ اور اس کے لئے دلیل یہ دیتے ہیں کہ میں نے ان مقامات میں مروّجہ مفہوم سے اختلاف کیا ہے۔ جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے' یہ مروّجہ مفہوم سے اختلاف نہیں' بلکہ مروّجہ مفہوم کی محدودیت کو قرآن کی وسعت سے ہمکنار کر دینا ہے۔ ان مقامات میں دیکھنا یہ چاہیئے کہ جو مفہوم میں نے پیش کیا ہے' وہ ان الفاظ کے بنیادی معانی اور قرآن کریم کی کلی تعلیم کے خلاف تو نہیں۔ اس کے لئے ''لغات القرآن'' کے متعلقہ مقامات کا مطالعہ ضروری ہوگا۔ جہاں سے آپ کو میرے پیش کردہ مفہوم کی تشریح' دلیل اور سند مل سکے گی۔''

فہمِ قرآن کے لئے محترم پرویز کا موقف:۔ ماہنامہ طلوعِ اسلام۔ نومبر ۲۰۱۲۔ سرورق:۔ ''ہماری مذہبی پیشوائیت نے محترم پرویز کی تصنیف ''لغات القرآن'' کے حوالے سے لوگوں میں یہ تاثر پھیلایا ہے کہ جو معانی اس لغت میں دیئے گئے ہیں وہ قرآن کریم کے ان تراجم سے مختلف ہیں جو ہمارے ہاں عام طور پر مروج ہیں۔ اس بناء پر' ان کا موقف جانے بغیر' ان پر کفر کا فتویٰ صادر کر دیا گیا۔ اور ان کے پیغام کو لوگوں تک پہنچنے سے روکنے کے لئے مذہبی نمائندے ابھی تک ہر جائز و ناجائز حربہ آزمانے میں مصروف ہیں۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ فیصلہ کرنے سے پہلے محترم پرویز صاحب کے موقف کو بھی سامنے رکھا جائے جو انہوں نے خود زیرِ تبصرہ کتاب کے پیش لفظ میں یوں بیان کیا ہے:۔ ہم نے ہر لفظ کے لغوی معانی کی سند میں اُس کتاب کا حوالہ دے دیا ہے جس سے وہ معانی لئے گئے ہیں۔ اور اربابِ علم کے نزدیک اس کی حیثیت مستند ہے۔ ان کتابوں میں البتہ بعض اوقات ان کے مولفین نے (لغوی معانی کے علاوہ) قرآنی تعلیم کے بارے میں خود اپنی رائے بھی دی ہے۔ ہم نے بعض مقامات پر (لغوی معانی سے نہیں) ان آراء سے اختلاف کیا ہے۔ محترم پرویز صاحب کا موقف اور علمی معیار بھی یہی ہے کہ اشخاص کی آراء (جن میں پرویز صاحب کی اختلافی آراء بھی شامل ہیں) ان کی ذاتی استعداد' رجحانات ومیلانات' نیز خود اس زمانے کی علمی سطح اور عام فضا کا نتیجہ ہوتی ہیں جس میں وہ تربیت پاتے ہیں۔ اس لئے دوسروں پر ان آراء کی پابندی لازم نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی یہ علمی روش قرآن کی تعلیم سے مطابقت رکھتی ہے۔'' ''لہٰذا' متقدمین سے اختلاف کرنے پر کسی کو موردِ عتاب ٹھہرانا بلا جواز ہے۔''

معانی متعین کرنے کا طریق:۔ ''محترم پرویز صاحب نے لغات القرآن میں قرآن کریم کے معانی متعین کرنے کا یہ طریق اختیار کیا ہے:۔

(الف):۔سب سے پہلے متعلقہ لفظ کے مادہ کو دیکھا جائے کہ اس کا بنیادی مفہوم کیا ہے اور خصوصیت کیا؟۔اس مادہ کی شکلیں کتنی ہی کیوں نہ بدلیں' اس کی خصوصیت کی روح بالعموم ہر پیکر میں جھلکتی رہے گی۔

(ب):۔اس کے بعد دیکھا جائے کہ صحرانشین عربوں کے ہاں اس لفظ کا استعمال کس کس انداز سے ہوتا تھا۔ان کے استعمال کی محسوس مثالوں سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان کے ہاں اس مادہ کا تصور (Concept) کیا تھا۔ واضح رہے کہ جب تک تصورات (Concepts) کا تعین نہ کیا جائے' الفاظ کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ یہ وہ بنیادی اصول ہے جس پر دورِ حاضرہ میں علم المعانی (Semantics) نے بڑی عمدہ روشنی ڈالی ہے۔علم اللسان کے اس شعبہ کا مطالعہ' الفاظ کی روح تک پہنچنے میں بڑا ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

(ج):۔اس کے بعد یہ دیکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم میں وہ لفظ کس کس مقام پر آیا ہے اور اس نے اسے کس کس رنگ میں استعمال کیا ہے۔ان مقامات سے اس لفظ کا قرآنی تصور (Quraanic Concept) سامنے آجائے گا۔

(د):۔سب سے بڑی چیز یہ کہ قرآن کریم کی پوری تعلیم کا مجموعی تصور سامنے ہونا چاہیئے۔اور اس بنیادی اصول کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ اس کے مفردات اور اصطلاحات کا مفہوم اس کی مجموعی تعلیم کے خلاف نہ جائے۔اس لئے کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ ذہن کو خارجی اثرات سے الگ رکھ کر قرآن کا مطالعہ خود قرآن کی روشنی میں کیا جائے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کو نور (روشنی) کہا ہے اور روشنی اپنے آپ کو دکھانے کے لئے خارجی مدد کی محتاج نہیں ہوتی۔''

اس طریق کی تائید میں پرویز صاحب نے درج ذیل دو مفکرین کی آراء کو بھی پیش کیا ہے:۔

(۱):۔علامہ اقبال کا بیان کہ قرآن کریم کو عربی زبان اور تصریفِ آیات کی رو سے سمجھنا چاہیئے اور اس پر خارجی عناصر کو اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیئے۔

(۲):۔شیخ محمد عبدہٗ کا تفسیر المنار کے مقدمہ میں قرآن کے صحیح معانی متعین کرنے کے بارے میں موقف کہ کسی لفظ کے خاص معنی کو ترجیح دینے کے لئے قانون کہ وہ معنی سابقہ عبارت سے مطابقت اور موافقت رکھتے ہوں۔ پورے موضوع و مطالب سے اتفاق رکھتے ہوں اور قرآن کے مجموعی مقصد سے ہم آہنگ ہوں۔'' (ڈاکٹر انعام الحق)۔

مروّجہ عقائد و مسالک:۔ پرویز صاحب قرآن فہمی کو خود پر ختم نہیں سمجھتے۔ البتہ ان کا یہ کام پرانی روش اور عقائد و مسالک سے ہٹ کر ہے لہٰذا تنقید کا نشانہ۔ حالانکہ وہ کہتے ہیں۔ ''اگر کسی کی دانست میں (میری تشریحاتِ قرآنی میں) کوئی مقام ایسا ہو جو عربی لغت یا قرآنی تعلیم کے خلاف جاتا ہے تو مجھے مطلع فرمائیں۔ میں ان کا شکر گزار ہوں گا اور ان کے اعتراض پر پوری توجہ دوں گا۔ لیکن جو حضرات یہ کہیں کہ ماسمعنا بہٰذا فی آبائنا الاولین (۲۳/۲۴) یعنی۔ ہم نے تو یہ بات اپنے آباؤ اجداد سے نہیں سُنی۔ تو وہ مجھے معذور سمجھیں۔'' پرویز صاحب کا قرآن فہمی کا فارمولا بڑا (scientific) ہے۔ دیگر حضرات بھی اس فارمولے کے تحت یہی کوشش کر سکتے ہیں۔ اور حقیقی مفہومِ قرآن تک پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن ایسا کرنے سے پہلے اپنے دل و دماغ کو ذاتی تعصّبات، جذبات، خیالات، رجحانات اور مروّجہ عقائد و مسالک سے پاک کرنا ہوگا۔ کسی فرقہ یا مروّجہ مسلک سے وفاداری قرآن کے حقیقی مفہوم تک پہنچنے کے راستے میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔ ہمارے مروّجہ عقائد اور مسالک میں بہت کچھ ایسا بھی ہے، جو قرآن کریم کے خلاف یا قرآن کریم سے خارج ہے۔ چونکہ اصل مقصد قرآن کریم کے حقیقی مفہوم تک پہنچنا ہے لہٰذا اس میں خارج از قرآن کسی بات کو نہیں آنے دینا چاہیئے۔

یہ شرک ہے:۔ پرویز صاحب کے الفاظ میں:۔ ''یہ بھی یاد رہے کہ میرے نزدیک یہ شرک ہے کہ انسان اپنے ذہن میں پہلے سے کوئی خیال لے کر قرآن کی طرف آئے اور پھر قرآن سے اس کی تائید تلاش کرنا شروع کر دے۔ قرآن سے صحیح راہنمائی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خالی الذہن ہو کر اس کی طرف آئے۔ اور اس کے ہاں سے جو کچھ ملے اُسے من و عن قبول کرے۔ خواہ یہ اس کے ذاتی خیالات، رجحانات، معتقدات اور معمولات کے کتنا ہی خلاف کیوں نہ ہو۔ ہمارا مقصد ہے اپنے ایمان و عمل کو قرآن کے مطابق بنانا نہ کہ (معاذ اللہ) قرآن کو اپنے ایمان و عمل میں ڈھالنا۔ میں نے قرآن کریم سے اسی انداز میں رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے میں میرے فہم نے کہیں غلطی کی ہو۔ لیکن میں نے قرآنی تعلیم کو اپنے کسی خیال یا رجحان کے تابع رکھنے کی جسارت کبھی نہیں کی۔ اللہ اس سے محفوظ رکھے۔'' (مفہوم القرآن)۔

ایک انسانی کوشش:۔ پرویز صاحب اپنی ہر تصنیف (خصوصاً 'تعارف یا دیباچہ' کتاب کے آخر) میں یہ بات خصوصی طور پر زور دے کر کہتے ہیں کہ ان کی تفسیر و تشریح قرآن کو حرفِ آخر نہ سمجھا جائے۔ وہ ''مفہوم القرآن'' میں لکھتے ہیں۔ ''اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں غور و تدبّر کرنے کا حکم ہر دور کے انسانوں کو دیا ہے۔ لہٰذا کسی ایک دور کے کسی ایک انسان کے تدبّر کو حرفِ آخر نہیں کہا جا سکتا۔ حرفِ آخر کا حق تو آخری انسان ہی کے لئے چھوڑنا ہوگا۔ میری کوشش فہمِ قرآن کی انسانی کوشش ہے۔ اور انسانی کوشش کبھی سہو و خطا سے منزہ نہیں ہو سکتی۔ نہ ہی اسے حرفِ آخر کہا جا سکتا ہے۔ میں نے قرآن فہمی کے سلسلے میں اپنی بصیرت کے مطابق ایک نئی طرح ڈالی ہے۔ اگر میری یہ کوشش نتیجہ خیز ہوئی تو مجھ سے بہتر صلاحیتیں رکھنے والے اسے واضح سے واضح تر کرتے چلے جائیں گے۔ اور یوں

یہ سلسلہ قانونِ کائنات کے مطابق اپنی ارتقائی منازل طے کرتا ہوا بڑھتا چلا جائے گا۔ قرآن فہمی کا یہ سلسلہ نہ کسی دور میں ختم ہوسکتا ہے نہ کسی انسان تک پہنچ کر رُک سکتا ہے۔ یہ ایک جوئے رواں ہے جو لامتناہی وسعتوں کا امکان رکھتی ہے۔ جوں جوں انسانی علم وسیع ہوگا قرآنی حقائق بیش از بیش بے نقاب ہوتے جائیں گے۔ یہ سلسلہ یوں ہی رہے گا حتیٰ مطلع الفجر۔''

البتہ ''اگر میری ان کوششوں سے چند نفوس بھی ایسے پیدا ہوگئے جن کے دل میں قرآن کی راہنمائی کا یقین علیٰ وجہِ البصیرت اُبھر آیا' تو میں سمجھوں گا کہ مجھے میری دیدہ ریزیوں اور جگر سوزیوں کا صلہ مل گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن سے میرا عشق مجھے مجبور کرتا ہے کہ ایک ایک کا ہاتھ پکڑوں اور اس سے التجا کروں کہ جو کچھ میں نے دیکھا ہے تم بھی ایک نظر دیکھ لو:۔

محبت چوں تمام افتد' رقابت از میاں خیزد بطوفِ شعلہء پروانہ با پروانہ می سازد

اور چونکہ میرا یہ عشق خالی جذبات پر مبنی نہیں' بصیرت پر مبنی ہے۔ اس لئے میری اپیل بھی محض عقیدت سے نہیں' بصیرت ہی سے ہے۔ میں بچشمِ خود دیکھ چکا ہوں کہ انسانی زندگی کے مسائل کا حل قرآن کے علاوہ اور کہیں سے نہیں مل سکتا۔ اس یقین کا عام کرنا میری زندگی کا مقصد ہے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔'' قرآنِ کریم کو سمجھنے کی اپنی اس کوشش کے بارے میں تقریباً ہر کتاب کے دیباچہ کے آخر میں لکھتے ہیں۔ ''اس میں جو کچھ صحیح ہے وہ صدقہ ہے خدا کی اس کتابِ عظیم کا جس میں حق وصداقت کے سوا کچھ نہیں اور جو سہو ہے وہ نتیجہ ہے میری کوتاہیء فہم کا۔

میرے ساقی نے عطا کی ہے مئے بے دُرد وصاف
رنگ جو کچھ دیکھتے ہو ' میرے پیمانے کا ہے

اس سہو وخطا کے لئے میں' اس درخواست کے ساتھ' بحضور رب العزت خواستگارِ عفو ہوں کہ:۔

گر دلم آئینہء بے جوہر است ور بحرفم غیر قرآں مضمر است
پردہء ناموسِ فکرم چاک کُن ایں خیاباں رازِ خارم پاک کُن

(اگر میرا دل ایک ایسا آئینہ ہے جس میں کوئی آب وتاب اور خوبی نہیں' اور میرے الفاظ میں قرآن کے علاوہ کچھ اور پوشیدہ ہے' تو میری سوچ اور فکر کے تقدس اور وقار کے پردے کو چاک کردے' اور اس گلشن (قرآن) کو (میری کوتاہیء فہم کے) کانٹوں سے پاک صاف کردے)۔ اس کے برعکس:۔

گر دُرِ اسرارِ قرآں سُفتہ ام با مسلماناں اگر حق گفتہ ام
در عمل پائندہ تر گرداں مرا آبِ نیسانم' گہر گرداں مرا''

(اگر میں نے قرآن کریم کے اسرار ورموز (معانی) کے موتیوں کو پرونے کا کام کیا ہے' اور میں نے مسلمانوں کو حق بات بتائی

ہے‘ تو مجھے میرے عمل میں مزید استقامت عطا فرما‘ اور میرے موسمِ بہار کی بارش کے قطروں کو موتی بنا دے۔ آمین!‘‘ (تبویب القرآن۔ مراحلِ طلب و تجسّس)۔

(نوٹ):۔ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے پرویز صاحب کی کتب:۔ لغات القرآن (خصوصاً پیش لفظ)۔ تبویب القرآن۔ مفہوم القرآن۔ اور سلسلہء معارف قرآن (من و یزداں۔ ابلیس و آدم۔ جوئے نور۔ برقِ طور۔ شعلہء مستور۔ جہانِ فردا۔ معراجِ انسانیت یعنی صاحبِ قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ طیبہ خود قرآن کی روشنی میں۔ وغیرہ) اور تفسیرِ قرآن کریم بعنوان ’’مطالب الفرقان‘‘ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ قرآن کریم کو واحد مکمل‘ غیر متبدل‘ جامع‘ غیر محرف اور آخری محفوظ وحی ثابت کرنے کے لئے پرویز صاحب نے ’’مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابیں‘‘ لکھ کر بھی ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

☆.....☆.....☆

ایک عظیم قرآنی خزانہ

قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے خوشخبری

مفکرِ قرآنِ مجید علامہ پرویزؒ صاحب کی زندگی بھر کی قرآنی بصیرت کو دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔

سی ڈی اور کتب کی خریداری

WWW.TOLUISLAM.COM

☆ اندرون ملک‘ فون: 35753666 42 92+‘ ای میل: trust@toluislam.com

ضرورت رشتہ

ایک بیٹی عمر 22 سال قد 2--5 تعلیم BSc کے لئے کمیشنڈ آفیسر یا بیرون ملک مقیم قرآنی فکر کی حامل چھوٹی فیملی سے رشتہ درکار ہے۔

والدین رجوع کریں 0306-2047042 ; 0346-3272343

ENJOY YOUR STAY AT

HOTEL PARKWAY (PVT.) LTD.

NEAR RAILWAY STATION LAHORE



ALL COMFORTS AVAILABLE

- T.V. & FAX
- AIR-CONDITIONED
- TELEPHONE EXCHANGE
- CAR PARKING
- LIFT, INTERNET
- EXCELLENT SERVICE

PH:0092-42-36365908-12, FAX: 0092-42-36311923,
E-mail:hotel_parkway@yahoo.com

ضرورت رشتہ

ایک تعلیم یافتہ (بی۔کام) قرآنی فکر سے وابستہ خاندان کی لڑکی کے لیے رشتہ کی ضرورت ہے۔نوجوان تعلیم یافتہ برسرروزگار اور قرآنی فکر سے وابستہ ہونا ضروری ہے۔

برائے رابطہ :0322-4921298

بنجر پاکستان میں، باغبانی اور جنگل کاری

☆ باغبان ایسوسی ایشن کا ماٹو ''قرآن فہمی اور باغبانی'' ہے

☆ 2013ء مری میں باغبانی کی صد سالہ سالگرہ ہے

☆ پاکستان بھر کے باغبانوں، زرعی اداروں، زرعی یونیورسٹیوں اور پورے پاکستان کے محکمہ جنگلات اور محکمہ ماحولیات کے دانشور خواتین وحضرات سے پرزور اپیل کی جاتی ہے کہ وہ 2013ء کو

''بنجر پاکستان میں باغبانی اور جنگل کاری'' کے طور پر منائیں اس سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوں گے۔

☆ بنجر پاکستان آباد ہوگا

☆ بنجر پاکستان میں باغبانی ہوگی

☆ بنجر پاکستان میں جنگل کاری ہوگی

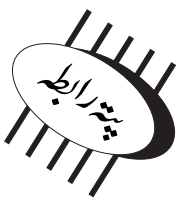
☆ روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے

☆ غربت کے خاتمہ میں مدد ملے گی

☆ ماحولیات کے لئے یہ سال بطور خاص اہمیت حاصل کرے گا

☆ جہاں مری کے باغبان اپنی صد سالہ سالگرہ منائیں گے وہاں پورے پاکستان کا ساتھ دیتے ہوئے 2013ء کو باغبانی اور جنگل کاری کے طور پر منائیں گے

☆ 100 سالہ پودہ جات میں مری کا آملہ۔ دیسی انار۔ ناکھ ناشپاتی۔ اخروٹ۔ ہاڑی۔ شہتوت۔ بٹنگی۔ پھگواڑی اور ریٹھا کے پودے شامل ہیں۔ لاہور چڑیا گھر کا برگد کا درخت سو سالہ ہے۔ دیگر معلومات درکار ہیں۔



(1) ملک حنیف وجدانی صدر باغبان ایسوسی ایشن سنبل سیّداں نیو مری

(2) صبینہ یاسمین سینئر نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن ٹبی سیّداں سوہاوہ جہلم

(3) تنویر صادق نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن میاں چنوں خانیوال

(4) ڈاکٹر حامد حسین نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن بلاک C ڈیرہ غازی خان

(5) طارق ایم ملک شعبۂ نشتر واشاعت باغبان ایسوسی ایشن چارہان نیو مری

(6) احمد نواز خان تاحیات ممبر باغبان ایسوسی ایشن گاؤں گھماواں نوانشہر ایبٹ آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد سرور (لاہور)

محترم جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ طلوع اسلام لاہور

السلام علیکم!

عرض ہے کہ آپ کے موقر جریدے کے اپریل 2013ء کے شمارے میں جناب عارف کسانہ.....سویڈن کا ایک فکر انگیز مضمون بعنوان 'کافرگری اور دہشت گردی' شائع ہوا ہے جس میں پاکستان میں فرقہ واریت کی وجہ سے حالات کی سنگینی پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کے تدارک کے لئے حکومت' علماء اور عوام کو کچھ مشورے دیئے گئے ہیں۔

اس سلسلے میں طلوعِ اسلام کے جون 2010ء کے شمارے میں 'فتویٰ کی حقیقت' کے عنوان سے ایک مفصل مضمون شائع کیا گیا جس میں قرآن کی روشنی میں واضح کیا گیا تھا کہ ''مفتی'' (فتویٰ دینے والا) صرف اور صرف اللہ ربّ العلمین ہے۔ کسی مذہبی عالم اور درسِ نظامی کے فاضل کو خود ساختہ 'مفتی' کے منصب پر فائز ہو کر خلافِ قرآن بلکہ بعض اوقات قرآنی تعلیم سے متصادم فتوے صادر کرنے اور حلال وحرام کے خانہ ساز فیصلے کرنے کے علاوہ اپنے مخالفین کو قابل گردن زدنی اور واجب القتل قرار دینے کا کوئی جواز نہیں۔ قرآنی مفہوم میں ایک انسان کا خود کو مفتی کہنا' مفتی سمجھنا' مفتی قرار دینا یا مفتی لکھنا منصب الٰہی پر دعویٰ کرنے کے مترادف' شرک فی الصّفتِ الٰہی' غیر شرعی' قطعاً ناجائز اور مطلقاً حرام ہے۔

روزنامہ جنگ لاہور کی 3 جنوری 2001ء کی اشاعت میں شائع ہونے والی نہایت اہم خبر کے مطابق بنگلہ دیش ہائی کورٹ نے ایک فیصلے کے تحت علماء کے جاری کردہ فتوے غیر قانونی قرار دے دیئے اور عدالت نے پارلیمنٹ سے کہا ہے کہ ایسا قانون بنایا جائے کہ فتوے جاری کرنا قابل دست اندازی پولیس فعل بن جائے۔ بی بی سی کے مطابق ہائی کورٹ نے فتویٰ جاری کرنے کو نا صرف غیر قانونی قرار دیا بلکہ پولیس مجسٹریٹوں کو ہدایت کی کہ اگر کوئی فتویٰ جاری کرے تو فوری طور پر کارروائی کی جائے۔ اس فیصلہ کی اہمیت کے پیش نظر یہ خبر لفظ بلفظ نیچے نقل کی جارہی ہے:

''بنگلہ دیش ہائی کورٹ نے علماء کے فتوے غیر قانونی قرار دے دیئے۔

فتوی جاری کرنا غیر قانونی فعل ہے۔ پارلیمنٹ ایسا قانون بنائے جس سے فتویٰ جاری کرنا قابل دست اندازی پولیس فعل بن جائے۔ عوام کو عائلی قوانین سے واقف کرایا جائے۔ امام جمعہ کے خطبات میں اس کی وضاحت کریں اور ثانوی اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں اسے پڑھایا جائے۔ عدالت کا حکم۔ (جنگ لاہور 2001-1-3)

لندن (ریڈیو رپورٹ) بنگلہ دیش ہائی کورٹ نے ایک فیصلے کے تحت علماء کے جاری کردہ فتوے غیر قانونی قرار دے دیئے ہیں اور

عدالت نے پارلیمنٹ سے کہا ہے کہ ایسا قانون بنایا جائے کہ فتوے جاری کرنا قابل دست اندازی پولیس فعل ہو جائے۔ بی بی سی کے مطابق ہائی کورٹ نے فتوے جاری کرنے کو نا صرف غیر قانونی فعل قرار دیا ہے بلکہ پولیس مجسٹریٹوں کو ہدایت کی ہے کہ اگر کوئی مولوی فتویٰ جاری کرے تو فوری طور پر کارروائی کی جائے یہ فیصلہ اوگام کے ایک جوڑے کے مقدمے پر دیا گیا ہے۔ سیف الاسلام اور اس کی بیوی شاہدہ کے مابین علیحدگی ہوگئی تھی لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے پھر شوہر اور بیوی کی حیثیت سے رہنے کا فیصلہ کیا جس پر ایک مولوی صاحب نے حلالہ کا فتویٰ دیا کہ پہلے شاہدہ ایک اور شخص سے شادی کرے اور اس سے طلاق لے اور اس کے بعد سیف الاسلام سے اس کی دوبارہ شادی ہوسکتی ہے۔ ہائی کورٹ کا کہنا ہے کہ اول تو ان کے درمیان طلاق نہیں ہوئی تھی اور 1961ء کے عائلی قوانین کے تحت حلالہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ عدالت نے حکم دیا ہے کہ عائلی قوانین سے عوام کو پوری طرح واقف کرایا جائے اور مساجد کے امام جمعہ کے خطبات میں اس کی وضاحت کریں اور ثانوی اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں ایک مضمون کے طور پر اسے پڑھایا جائے''۔

پاکستان گورنمنٹ سے بھی استدعا ہے کہ بنگلہ دیش ہائی کورٹ کے مذکورہ بالا فیصلہ کی روشنی میں وہ بھی پارلیمنٹ سے ایسا قانون بنوائے کہ پاکستان میں بھی فتوے جاری کرنا قابل دست اندازی پولیس فعل بن جائے تاکہ پاکستانی عوام بھی فتویٰ باز مولویوں کے ناجائز اور غیر قانونی حلالہ کے فتوؤں' کافر گری کے فتویٰ' میاں بیوی کے نکاح ٹوٹ جانے اور دوبارہ نکاح پڑھوانے وغیرہ کے فتوؤں سے محفوظ و مامون ہو جائیں۔

براہِ کرم عریضہ ھٰذا کو اپنے موقر جریدے کی قریبی اشاعت میں شامل فرما کر' شکر گزار فرمایا جائے۔

آپ کا خیر اندیش

محمد سرور' لاہور

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شرح جاوید نامہ کے بارے جاوید اقبال صاحب کا خط

السلام علیکم!

آپ کی ارسال کردہ کتاب ''شرح جاوید نامہ'' موصول ہوگئی۔ میری طرف سے بہت بہت شکریہ قبول فرمایئے۔

علامہ غلام احمد پرویز کے کچھ لیکچر میں نے علامہ اقبال کے بارے میں پڑھے ہیں' بہت دلچسپ ہیں۔ جاوید نامہ ایک ایسی کتاب ہے جسے ابھی تک پوری طرح سمجھا نہیں گیا۔ میں انشاءاللہ اِسے مزید پڑھوں گا اور استفادہ کروں گا۔

خیر اندیش

جاوید اقبال

قرآنک فاؤنڈیشن

اشتہار

Surah Al-Jinn – Durus-al-Qur'an Parah 29: Chapter 14

By G. A. Parwez

(Translated by: Dr. Mansoor Alam)

Dear Friends! Today is January 13, 1984 and today's lecture begins with verse 16 of Surah الْجِنّ (Al-Jinn) 72:16. In the previous verses there was description of nomadic desert Bedouins who had listened secretly to the Quran; and when they returned to their tribe they mentioned to their people that they had listened to something marvelous, something wondrous and new. The first 15 verses of this Surah contain the discussions they had among themselves about this new message. As a result of these discussions some of them accepted this message as guidance for their life. After this, the Prophet (PBUH) is being addressed and is asked to tell his people:

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ○ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا (72:16-17)

[KNOW,] THEN, that if they [who have heard Our call] keep firmly to the [right] path, We shall certainly shower them with blessings abundant, so as to test them by this means: for he who shall turn away from the law of Universal of sustenance of his Sustainer, him will He cause to undergo suffering most grievous. This is an open standard by which it will be clear who are the people on the right path from those on the wrong path.

As I have said repeatedly, water to the Arabs was a great blessing. This is the reason Allah has counted green trees and running streams and rivers among the blessings of heaven. The Quran has explained this to its first addressees, Arabs. Also, this is a metaphor of this language for expressing beautiful things of comfort and relaxation. The next thing to note (in verse 17) is that those who turn away from the right path are hemmed in by miseries and engulfed in ruin (عَذَابًا).

Straying from the law of Allah leads to difficulty in livelihood

I hope, by now, you know how to understand the Quran: A verse of the Quran on a topic is explained further by other verses related to that topic. One need only search for it. Let us take, for example, what is being told in this verse 17 here: He who shall turn away from the law of Universal of sustenance of his Sustainer, Allah law will cause him to undergo most grievous suffering. Related to this topic is verse 20:124. This is explained here in verse 20:124: وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا ــ But as for him who shall turn away from Our laws – his economic life will become hard and difficult. So, it is now established that turning away from the laws of Allah leads to economic hardship for people. Therefore, please remember that hunger and fear are عَذَابًا (punishment) of Allah.

Dear friends! The next thing is: a people becoming used to a life of hunger and fear; being satisfied and comfortable with this miserable life; considering this as part of their faith and ideology; and thinking that it is from Allah–all these are totally against the Quran. As the verse 20:124 further says: وَنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى ــ and on the Day of Resurrection We shall raise him up blind. So, this is established for a fact: Life of those people (i.e., those who stray from the laws of the Sustainer) will be a life of suffering, fear and humiliation here in this world, and the life of the hereafter will be blind and dark. The Quran calls this punishment عَذَابًا ــ here as well as in the Hereafter.

Achieving heaven by wealth

It is this عَذَابًا of hunger and fear that is told (rather sold) by our custodians of religion to the public that it is from Allah. This is the best way to keep the people satisfied with their miserable condition. They also tell that it *is* Allah who has created these two groups: one rich and wealthy and the other poor and indigent. The raison d'être, according to them, is that if this secondary group is not there then whom to give *Zakah* and charity? So, their (twisted)

logic is: for the wealthy, who want to buy their way to heaven by giving *Zakah* and charity, there must be a group to take these. If this group of poor and indigent is not there then how can the wealthy buy Heaven? It is as if–the Quran, Islam, the Din–all this, directly or indirectly, are means for the rich and wealthy to receive privileges. Here, in this world, they keep buying things on the strength of their wealth; and it seems they could do the same a priori for the Hereafter as well. In a knee-jerk fashion it is told that if the poor are not there then whom to give Zakah, or how to fulfill this fourth pillar of Islam? Do you see where this capitalistic system takes? In contrast to this on the other hand, the Quran is saying that whoever turns away from Allah's law of sustenance is engulfed in عَذَابًا of hunger and fear (72:17);and that if anyone is leading this kind of life here then his life of the Hereafter will be also be miserable and dark (20:124). It is not that the Quran is difficult to understand: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ــ We made this Qu''an easy to understand: who, then, is willing to take it to heart (54:40)?But, our custodians of religion make it difficult to understand by their wrong interpretation.

The result of wrong interpretation of Quranic verses

Here in (72:17) it is mentioned that the outcome of turning away from the law of the Sustainer will be misery and suffering. The outcome is exactly opposite as a result of being attached with Allah's law, by obeying His laws; by being attached to His book. The next three verses are:

(72:19) وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ○ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (72:18)

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا (72:20)

These are great verses. I think the best thing should be for me to explain the meanings of these verses through the Quran, through proper Islamic concepts. Then only you can clearly see what their meanings became when the Quran's Din was turned into religion. A religion that now considers hunger

and misery as blessings of Allah.

If you remember I normally repeat the saying of a Western philosopher. He says: If you tell me what kind of object of worship a particular people have chosen; then I will tell you all about their culture and civilization, their social structure and economic system. What he has told here is extremely important which is confirmed by the Quran. According to the Quran, the central point of Din revolves around the correct concept of God. And the correct concept of God would be that which He Himself has told. If that concept is in our minds; in our ideology; and in our life – then the basis and structure of our entire society and of our entire life would be according to the Din; it would be according to the Quran. And if this correct concept is shifted from its place, then the Quranic concept of God no longer remains in force–and then *nothing* remains of Islam.

The meaning of Iman in Allah

Have you noticed that the Quran, right from the start, from first page to the last, has put great emphasis on Iman in Allah? What is this Iman in Allah that the Quran emphasizes so much? To us the explanation comes from the Mullah: Just saying آمَنُوْا بِاللّٰہِ — I believe in Allah – is enough. I normally say that we did not even say this آمَنُوْا بِاللّٰہِ. We are born-Muslims. Sometimes back in the olden days, the Mullah used to ask the bridegroom to recite the six *Kalimahs* during the *Nikah* ceremony. But now, this is even not done these days. It is enough now to sign a form that is already printed. Anyway, according to the Mullah, just saying: "I believe in Allah" *fulfills* the requirement of آمَنُوْا بِاللّٰہِ. Does this have any effect on our lives? We don't really care? The sad thing is that we don't even understand what these words mean, although the entire structure of Din stands on this foundation of آمَنُوْا بِاللّٰہِ. In fact, you can say that the entire foundation of Din and human life revolves around what kind of concept of God is at its center.

The word Allah consists of "*Al Ilaah*" which means: "The one whose obedience is done." What we call authority is *Al Ilaah*: *The only* authority; the *only* Ruler. He, alone, has the authority to rule. And obeying Allah's exclusive authority means believing in Allah – *this* is آمَنُوْا بِاللّٰہِ. His pure authority means that no one else's authority should be included in it. This is what I keep saying that, according to the Quran, no human being has right to rule. If we believe in any form of human rule or if we obey any form of human rule then this is *Shirk*. The same way obeying any human laws or human commands is *Shirk*. Obedience is only due to Allah's laws and His commands. All this comes under the concept of Allah. When you say I believe in Allah then this means that I believe that the right to rule only belongs to Allah; and that I do not accept anyone else's authority. This then is the root meaning of آمَنُوْا بِاللّٰہِ. Everything must revolve around this: Allah is Ruler (إِلٰہَ); human beings slave (عَبْدِ); and عِبَادَت: to obey Allah's authority; and اسْجُدُو (*Sijdah*): its practical expression.

The real ideology (Iman) was obedience of Allah

The same held true for the Islamic ideology. It was to adopt obedience of Allah. Bowing down before His laws was meant as an expression of اسْجُدُو (*Sijdah*). The center where the practical programs for the obedience of Allah were to be discussed and decided is Masjid (مَسْجِدِ) When the Quran said that "Obedience is due only to Allah; the rule is only of Allah" then it also made it absolutely clear that: وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ ــ Masjids are centers where this program of obedience to Allah and how to practically implement His rule of law in the human society is discussed and debated because in the secretariat of Allah (i.e., Masjid) nothing else can be discussed except the rule of Allah. If someone else's right to rule is accepted there–if it is accepted that in this law that take something from Allah, e.g., pray to Him here but accept the economic system of someone else–then *it* is *Shirk* and the Masjid no longer

remains اَلْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ : where the discussion revolves solely around system, methods, and processes for implementing the rule of law of Allah. The practical system by which this obedience is carried out is called the system of *Salaat*. The meaning of *Salaat* is: to follow someone continuously and persistently in such a way that there is nothing in between and there is no break.

What is the meaning of calling on Allah

This is the meaning of اَلْمَسَاجِدَلِلّٰہِ: it is a way of life; it is way to govern the society. The Raison d'être for government in Islamic state is to obey the laws of Allah because Islam is a collective system called the Din. The Din is a collective system where it is decided: how to obey Allah's laws; how to implement them; how to publicize them; and how to do His obedience such that if any matter arises then it is discussed and debated to find out what Allah says in His book, the Quran, in this matter. This is what is meant by calling on Allah. Even in a traditional government whenever a matter arises then it is required to find out what law applies to this matter; and what rules and regulation the government has drawn within the constitution to handle such matters. In the same way, in an Islamic state, we turn to the Quran, the constitution of the Islamic state, to solveany problem. This is what is meant by inviting people to Allah.

The meaning of "inviting to Allah" (*Daawat-il-Allah*)

In common language *Daawat-il-Allah* means "calling on Allah". This is also called "returning to Allah" or "referring to Allah": That is, whatever problem or issue is at your hand, find out what does the Book of Allah have to say about it? After you have done this, then only proceed further and discuss ways to implement it; and all this takes place in Islamic parliament or Islamic house called Masjid. In the beginning formal prayers are part of these activities. This is exactly like the way the recitation of the Quran is done before any Islamic function. But, now-a-days, every Islamic act has become a ritual. So is the

Quran recitation.

But Islam is a form of government in which obedience is done purely to the laws of Allah. This is: مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ — sincere in your obedience to Him alone (7:29). Proceeding further we find in much clear words: قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ — SAY [to the deniers of the truth]: "Behold, I have been forbidden to obey anyone else except Allah." (6:56). And: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ — the right to govern belongs only to Allah. This is the *foundation* of Islam. This is the basis of the Quran. This is the same thing which Allma Iqbal in his unique style says:

Only to the Unique Supreme One does Sovereignty belong and remains Graceful

This is how Allama Iqbal (1877-1938) put it. As mentioned, what we call "calling Allah" really means: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ — the right to govern only belongs to Allah; to adopt the obedience of only Allah; to follow the commands of only Allah. At other place it says: And: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ — the right to govern only belongs to Allah. This is the foundation of Islam. وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ — Be not among the الْمُشْرِكِيْنَ (*Mushrikeen*) (28:88). That is: وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ — never call upon any other authority beside Allah (28:88). And: لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ — There is no authority except Allah; He is the sole authority who has the right to govern over human beings: لَهُ الْحُكْمُ (28:88). From the above Quranic verses it clear: what is meant by calling on Allah?; what is *Salaat*?; what is meaning of Masjid?; and what is Shirk? All this different components are there to justify and practically implement اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ . This is then *the Din*. This is then true Islam. Mixing any man-made laws with Allah's Laws is *Shirk*. When Islam was Din then this *was* the case. Prophet (PBUH) first established this Din. After him the rightly-guided Caliphs (11 A.H. – 40 A.H. or 632 A.D. – 661 A.D.) continued this Din. When Islam was alive as a Din then obedience of Allah was done purely through His commands contained in His Book, the Quran.

The difference between *Din* and *Mazhab*

Dear friends! After this, the Din changed into Mazhab. The basic difference between Din and Mazhab is that in Mazhab Allah is worshipped, not obeyed. The authority of Allah is not accepted as ruler. Allah is not accepted as Sovereign. In Mazhab عِبَادَت of Allah means worshipping Allah, not adopting the obedience of Allah. In Mazhab *Salaat* means Namaz, a visible ritual? As I have said the system of *Salaat* is extremely important. When the system of obedience of Allah will be established as a practical system of life then the congregational prayers *will* be done but that will happen under the formal banner of His obedience in order to enforce His authority in the society; and to carry out the official government duties by making the Quran as a living constitution of the Islamic state.

Worshipping Allah, and obeying Human rulers?

Dear friends! The word "*Parastish*" (meaning worship) comes from the Iranian word "Parastidan". And, when this concept of worship was accepted, then the entire concept of life came from there. That is, worship God but do the obedience of anyone you want. Adopt the obedience of humans and worship God. Muslims are satisfied that they are not doing idol worship; that they are not *Mushriks*. The system of *Salaat* that was to establish Allah's system in the world has been reduced to praying Namaz where all the discussions are done around visible rituals of movements of how to prostrate and how to stand and how to sit. You may have seen this on TV. They are showing how to do ablution; how much space should be within the two feet during prayer; where to fold hands; how to do *ruku*; and how to do *sijdah*. It is never mentioned what is the purpose of doing all this? Why are we doing these things? The reason is clear why the proponents of Mazhab do not mention the goal and purpose of these things: Because then, Allah's *only* obedience will come into picture; because then, only Allah's authority to rule

human affairs will have to be accepted; and, because then, all other human authorities will have to be rejected. In Mazhab, the Masjid has been reduced to a place of only worship, i.e., praying Namaz. *Daawat-il-Allah* has been reduced to "calling Allah" without understanding what this means. It became an issue in Mazhab. That is, what was the system of life changed into ritualistic religious problems in Mazhab. And do you know what is the great problem regarding the *issue* of "calling Allah" between Ahl-e-hadith and Barelwi sects? Barelwils say "O Prophet" with "O Allah" and this is *Shirk* according to Ahl-e-hadith. My dear friends! This is what Islam has been reduced to now! This is typical of all the raging arguments and debates between different sects.

Our *great* debates

Dear friends! Our entire arguments; our heated and incendiary combats; our abrasive sectarian fights – happen on issues like this: When you say "O Allah" then this *Tauhid* and when someone says "O Prophet" along with it then it becomes *Shirk*. The situation has reached a point that if you say "O" with anyone else then it is Shirk. For example, if you say "O Abdul Qadir Jilani" then it is Shirk! That is, it is only with Allah that you can say "O" and not with anyone else; otherwise it is Shirk! But adopting the obedience of humans–the real Shirk according to the Quran–has completely vanished from the Muslim psyche. You can read in newspapers of these intense arguments, fights, and even reports of violence between these sects on trivialities like these. And these arguments and fights have reached the Masjids of London and Birmingham. What are these fights about? These are about whether or not one can say "O" with Prophet, and similar such things.

"Studying *Namaz*" instead of establishing the system of *Salaat*

The Quran said: وَيُقِيمُونَ الصَّلاةَ — *Establish* the system of *Salaat*. We see that wherever وَيُقِيمُونَ الصَّلاةَ comes in the Quran, traditional translation says:

Establish *Namaz*. And, now with the advent of TV, there are advertisements and announcements about it. But no one understands what really is meant by the term "Establish *Salaat*"? If you ask people going to mosque: Where are you going? "We are going to "study *Namaz,*" they reply. If you ask them where are you coming from? They reply: "We are coming after 'studying *Namaz'*."At least when you ask a student it makes sense when he says: "I am going to school to study" or "I am coming from school after studying". Have you ever seen a "*Namazi*" saying "I am going to establish *Namaz* in the mosque" or "I am coming from the mosque after establishing *Namaz*"? "To establish" has been changed to "to study." In the translation and on TV, "to establish" is still used but people keep saying "I am going to study *Namaz*" and "I am coming after studying *Namaz*" because asking question about "establishing *Salaat*" creates complications. They ask: Sahib! We don't understand: What is this "establishing Salaat?" But the Quran says: "establish *Salaat*" only; it never says: "study Namaz."

The word "*Namaz*" does not even appear in the Quran. This is an Iranian word. What was "to establish *Salaat*" in which obedience was to be done to Allah's laws has turned into worshipping imaginary God. Now, the "system of *Salaat*" is not established but it is "read as *Namaz*"; now the Masjid is no longer the center of Allah's rule but a place worship (*Pooja-Paat*); now it is no longer the Islamic secretariat and parliament to discuss and find ways to enforce Allah's commands but only a place for "reading Nanaz"; now inviting people to Allah's message has been turned into simply uttering "O Allah"; and now uttering any other name with "O" is declared Shirk and source of contentious debates and fights among different sects.

Coming to verse (72:19): The Quran says: وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ — And thus it is that whenever a servant of Allah, His messenger, stands up to say that the right to rule only belongs to Allah then: كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا — these *Mushriks*, who

are bent on denying the truth, would gladly overwhelm him with crowds as if they are going to assault and crush him (22:72). This message "The right to rule only belongs to Allah" is now translated: "O Allah" should be said only for Allah and the "O" should not be used with anyone else. In contrast to the behavior of Mushriks as described above by the Quran, look at the following scenario that happens these days: the so-called custodians of Islam engage in heated arguments, fights, and violent assaults with each other on this issue of whether "O" should only be used with Allah or could it be used with anyone else as well! They justify their behavior by saying: Look! The Quran itself says: كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا — those who are bent on denying the truth, would gladly overwhelm him and are going to assault and crush him. They say that Prophet's people (i.e. the Mushrikeen of Mecca) used to fight him because he was saying "O Allah".

Allah, the absolute sovereign, now only an object of worship

So, now, the concept of Allah as absolute Sovereign has changed into only an object of worship. No sooner than this happened that all the system underneath it changed as well; and then the entire Din metastasized into Mazhab. Now, Allah remained neither Sovereign, nor His عِبَادَت remained His obedience; neither did remain the system of Salaat (in which obedience is done only to Allah) nor did Masjid remain the center of government. دَعَا (which was to return to Allah's commands)became calling Him simply using "O".Nothing remained of the original Din. All this was due to proper concept of Allah and when *this* changed, everything changed. Do you now see that that Western thinker was correct in saying that if "you tell me what kind of object of worship a particular people had chosen; then I will tell you all about their culture and civilization, their social structure and economic system?" Western thinkers have deep insights. From the point of view of religion, just with this change in the concept of Allah, everything of Muslims – their history; their entire life; their civilization; their culture; their entire economic system –

literally everything changed. Now, if you try to change anything underneath – let alone reforming the system which is a momentous task – then there is so much opposition for something as basic as trying to explain the correct meaning of Quranic verses. You are showered with fatwas of *kufr* and blasphemy. The opponents of this are right in a way. Because, if Allah's concept remains only as an object of worship, then everything remains as it is. But if the concept of Allah is changed into absolute Sovereign, into absolute Ruler, into absolute Decider: then nothing of the status quo fits into this. At any rate, most, who consider Allah as only an object of worship would not be able to even understand this concept of Allah. As a matter of fact, this isquite understandable: This *parastidan* (worship) of God has been taught to them since their childhood. This is what they find written in books since thousand years. They read the Quran only for earning rewards and for forgiveness of the dead. There is no relationship with the Quran in their practical life.

The debate over slaves and concubines between Allama Aslam Jairajpuri and Maulana Maududi

Once there was a debate about slaves and concubines between Allama Aslam Jairajpuri and Maulana Maududi. Allama Jairaj puri argued that it is not allowed according to the Quran. On this, Maulana Maududi finally wrote that Allama Jairajpur's basic mistake is that he is arriving at this conclusion from only the Quran. "This is mistake!" And he further said that these people are crazy, they have lost their mind! Their crime? They are deriving the order from only the Quran. When this went further Amin Ahsan Islahi said about me: He is Murtad because he infers orders only from the Quran. Yes, this is right! And this is bound to happen if the concept of Islam is based on the wrong concept of God. Our crime was that we (I and Allama Jairajpuri) presented Islam – based on the concept of Allah – that the Quran wants to establish. That concept is: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ — The right to govern *only* belongs to Allah (6:58).

Keeping sectarian names of Masjids

Dear friends! Let us move further. The Quran said: وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ — Masjids are for Allah. But look at any Masjid now, you will find written outside: Masjid Ghausia Nizamia, Masjid Rizwiyya, Masjid Hanfiyya, Masjid Ahl-e hadith, Masjid Hanfiyya Rizwiyya, etc. You can go throughout the country but you will never find a Masjid where it is written "Masjid Allah" in front of that Masjid, if I am not mistaken. When you leave one Allah then all these other *Ilahas* are bound to come. This is the enjoyable thing in Shirk: there are thousands of gods. But in the true concept of Islam you cannot have even one extra god. But in front of these sectarian mosques you see these various sectarian gods. This leads to daily clashes to the extent that many times police comes to mosques and lock them. For what? Because this is Hanfiyya Masjid and Ahl-e-hadith cannot pray in this Masjid. But, ironically, they also keep reciting وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ (72:18) – Masjids are for Allah alone. Please forgive me! This does not even appear in the inscription in front of the Masjid for the sake of poor Allah: There is NO Masjid where it is written that "This Masjid is for Allah." What is this, and why are all these things happening?!

These centers (Masjids) must exclusively be reserved for the rule of Allah

Dear friends! Even to talk about this now has become a crime because the sectarian ideologies of these people are slowly becoming legalized. Yes, the Quran has said: وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ — Masjids are centers where the program of obedience to Allah and how to practically implement His rule of law in human society is discussed and debated. In the secretariat of Allah (i.e., Masjid) nothing else can be discussed except the rule of Allah because otherwise it would become Shirk. This proclamation is such a revolutionary statement that the person who calls for this change immediately invites the wrath and scorn of the supporters of the status-quo: وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ And thus it is that whenever a servant of Allah, His messenger, stands up to say that the right to

rule only belongs to Allah – then: كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا — these *Mushriks*, who are bent on denying the truth and support the status-quo, would gladly overwhelm him with crowds as if they are going to assault and crush him (22:72). Here the leader of the revolution is being addressed as عَبْدُ اللّٰهِ — servant of Allah. And what he is trying to do? He is standing up to say that the right to rule only belongs to Allah. The word that has come here is "قَامَ" (stand). Just think what happened as a result of standing up i.e., "قَامَ" . It created a revolution. But today it means to stand in prayer (*Namaz*). Yes, that is what has been happening for thousand years. But what about the crowds and assault? Yes, of course, that is there too in the traditional translation: When that servant of Allah stood up ("قَامَ") in prayer for Namaz then in the state of "قَامَ" they assaulted him but when went in Rukû? (رُکوع) then they left him alone. Dear friends! How revolutionary step this was that obedience is due only to Allah. That servant stood up for this. That is what is meant by the word "قَامَ". What a word this "قَامَ" is! In every language there is a word for "قَامَ", to stand up for revolution. In this context, you may remember the quatrain of Allama Iqbal (1877-1938):How could the Mullah of today know the revolution that is hidden in the proclamation "قدقامت الصلوۃ"? The word "قم اي قلا" is from "قَامَ" itself. O yes! It means *revolution*. When he stood up for this revolution – what marvelous word is this "قَامَ" of the Quran?! And what an honor the Quran gives when Allah refers to this person as "my servant"?! Don't even think for a moment that he is interested in his*own* rule or in his *own* authority; because he is simply a servant of Allah. The word "عَبْدُ" leaves no doubt about it. Dear friends! This is Quran!!

Quranic rule is against every human rule

Dear friends! This Quran is not the word of any human being. Its every word contains entire realities. Please take note! Where did the Quran bring in the word "عَبْدُ" ?! It was used at a place where even this slight hint was put to rest that the Prophet (PBUH) was interested in his own rule. Why he, the servant

of Allah, is standing up: قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ ? Because: يَدْعُوْهُ — he wants to invite people to Allah's laws (72:19).

The position of the Prophet (PBUH) as the messenger (of Allah's message) was: مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (29:65) – to dedicate himself 100% to the obedience to Allah's Din. Allah's servant rose up carrying this message. This revolutionary call was an announcement of rebellion and war against the whole world. Then what happened? كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا — they, who are bent on preserving the status-quo of false rule would gladly overwhelm him with their crowds. Why would they do this? Because their life's all authority and programs were going to vanish because of this one clarion call: Only to the One and the Unique One does Sovereignty belong. The Quran said that there is no need to feel weak and defensive from the opposition and aggression of the opponents. This is a matter of bearing all this with patience and fortitude: قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا — Tell them I am only inviting people towards my Sustainer's laws; and make it clear that I am not allowed to include anyone's law in this.

Dear friends! Did you see what kind of revolutionary and clarion calls are latent inside these verses? But now the Masjid is only a place of worship and for "reading Namaz". And they fight over whether or not to use "O" with anyone else (including the Prophet) besides Allah. Their fights lead to violence inside Masjids resulting in police raids. This is what it has now become of the meaning of these verses.

I do not have power to cause benefit or harm to anyone

Dear friends! The Prophet (PBUH) himself has been called here as slave (عَبْدِ) of Allah. That is, this idea of self-rule is then completely dispelled from the public mind that the Prophet (PBUH) is in any way interested in his own power and authority because he is being called here only as slave (عَبْدِ) of Allah. The Quran further says: قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا — Say: "Verily, it is not in my power to cause you harm or to endow you with consciousness of what is right." (72:21). The Prophet (PBUH) being the head of the state of such a large

state, even he is saying to the people: The invitation that I am extending you; the state that I am trying to establish; I do not have the power to cause you any harm. Allahu Akbar! Being the Prophet (PBUH), being the head of the state, even he is saying that I do not have the power to cause any benefit or harm to anyone, because the existence of this state is to enforce only Allah's rule. Who am I to cause you benefit or harm?

Dear friends! This is the rule of Allah; this is the constitution of the Islamic state. In this state no one, not even the Prophet (PBUH) has the power to cause harm or benefit against the laws of Allah. The Quran says: قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا — Say: "Verily, no one could ever protect me from God, nor could I ever find a place to hide from Him (72:22)–if I adopt something myself against the laws of Allah. Why should I commit a crime by saying that I have also got some authority along with Allah in His constitution? Dear friends! No human has an authority over another human. The Prophet (PBUH) is saying that if I accept anything against Allah's law then no one can save me from Allah's punishment. If I leave Him then no one in the world can save me. Dear friends! Note here that the Prophet (PBUH) is saying this. Why is he saying this? Because he isslave (عَبْدِ) of Allah and if he were to leave his only master then who could give him shelter? But when there are thousands of masters then one gets shelter everywhere: اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِسٰلٰتِہٖ ؕ — my job is to convey to you His laws which Allah has given me. This we will continue in the next lecture.

Dear friends! Our scheduled lecture time is over. We have completed up to verse 22 of Surah Al-Jinn. We will start our next lecture from verse 23.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts.

☆.....☆.....☆